الاصلاح

دائرۂ حمیدیہ کا ماہوار علمی و مذہبی رسالہ

مرتب

امین احسن اصلاحی

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۵۰۳

دائرۂ حمیدیہ کی اعانت

دائرۂ حمیدیہ کی خدمت و اعانت، کتاب الٰہی کی خدمت و اعانت ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) جو حضرات سو روپے یکمشت دائرہ کو عنایت فرمائیں گے وہ دائرہ کے معاون دائمی متصور ہوں گے۔ ان کو دائرہ کا رسالہ "الاصلاح" اور تمام مطبوعات برابر ہدیۃً دی جائیں گی۔

(۲) جو حضرات پچیس روپے یکمشت عنایت فرمائیں گے۔ ان کو رسالہ "الاصلاح" مفت دیا جائے گا اور دوسری مطبوعات برابر نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

(۳) جو حضرات دس روپے سالانہ عنایت فرمائیں گے ان کی خدمت میں "الاصلاح" مفت جاری کیا جائے گا۔ اور سال بھر کی مطبوعات بلا قیمت بھیجی جائے گی۔

ہدایات و قواعد

۱۔ "الاصلاح" ہر انگریزی مہینہ کی پندرہ تک شائع ہوگا۔

۲۔ اگر مہینہ کی آخر تک پرچہ نہ پہنچے، فوراً دفتر کو لکھ کر منگوا لیجئے ورنہ بقیمت بھیجا جائے گا۔

۳۔ مضامین وغیرہ ایڈیٹر کے نام بھیجئے۔ اور دفتر سے متعلق امور کیلئے تمام خط و کتابت منیجر سے کیجئے۔

۴۔ دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت خریداروں کو نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہئے۔

۵۔ چندہ سالانہ [illegible] — بیرون ہند کے لئے [illegible] — فی پرچہ [illegible]

عبدالاحد اصلاحی — منیجر دائرہ حمیدیہ — سرائے میر اعظم گڑھ

عبداللہ اصلاحی طابع و ناشر نے اصلاح پریس سرائے میر اعظم گڑھ میں چھپوا کر شائع کیا۔

دائرۂ حمیدیہ کی اردو مطبوعات

تفسیر سورۂ اخلاص

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ اخلاص کی تفسیر اردو میں لکھی ہے، اس سورہ کی، ہر دور میں بیشمار تفسیریں لکھی گئیں۔ لیکن اہل نظر نے اعتراف کیا ہے کہ علامہ فراہیؒ کی تفسیر میں جو نکتے بیان ہوئے ہیں، ان سے تمام تفسیریں خالی ہیں۔ کتابت وطباعت بہترین، کاغذ نہایت عمدہ۔ قیمت :- ۵/

تفسیر سورۂ والتین

استاذ امام علامہ فراہی رحمہ اللہ کی تفسیر سورۂ والتین کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں تین زیتون، طور سینین اور بلد امین سے وجوہ استشہاد اور ان کی تحقیق کے متعلق مصنف نے جو کچھ لکھا ہے وہ تحقیق اور وسعت نظر کا اعجاز ہے۔ قیمت ۶/

تفسیر سورۂ کوثر

استاد امام مولانا فراہی رحمہ اللہ کی تفسیر سورہ کوثر کا اردو ترجمہ ہے، اس میں کوثر کی تحقیق خانہ کعبہ کی روحانی حقیقت اور نماز و قربانی کے اسرار و حقائق پر مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اسکی اصلی عظمت کا اندازہ صرف مطالعہ کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ کتابت وطباعت جاذب نظر تقطیع ۳۰×۲۲/۱۶ حجم ۱۲۳ صفحے۔ قیمت ۸/

جلد ۴ | محرم وصفر ۱۳۵۸ھ مطابق مارچ واپریل ۱۹۳۹ء | نمبر ۳و۴

فہرست مضامین

شذرات — امین احسن اصلاحی — ۲ - ۸

معارف قرآن

تفسیر سورہ تحریم — استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ — ۹ - ۲۰

ذبیح کون ہے؟ — " " " — ۲۱ - ۲۹

والعادیات ضبحا — جناب مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی — ۳۰ - ۴۴

موعظت حسنہ

ہماری سب سے اہم ضرورت — جناب مولوی ابو اللیث صاحب اصلاحی — ۴۵ - ۵۷

حکمت مغرب

مارکس اریلیس کے خیالات — جناب مولوی نیاز احمد صاحب صدیقی ایم اے — ۵۸ - ۵۹

تقریظ وتبصرہ — ع - ن — ۶۰ - ۶۴

شذرات

تاخیر اور سبب تاخیر مدرسہ کے آس پاس کی تمام بستیاں مسلسل کئی مہینے سے وبائے طاعون کے زد میں تھیں۔ جس کے باعث رمضان شریف کی تعطیل کلاں سے لیکر صفر (اپریل) کے پہلے مہینہ تک مدرسہ کو جمنا نصیب نہ ہوا۔ بار بار مدرسہ کھلا اور بند ہوا۔ عید اضحیٰ کے بعد ارادہ کیا گیا۔ کہ مدرسہ کھول دیا جائے کہ تعطیل کے غیر معمولی امتداد سے تعلیم کا جو نقصان ہوا ہے، اسکی کچھ تلافی ہو سکے، لیکن یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ پھر مجبور ہو کر یہ فیصلہ کیا گیا کہ کچھ دنوں کے لئے مدرسہ کسی اور جگہ منتقل کر دیا جائے چنانچہ بہت کچھ ضروری سامان اقامت منتقل بھی کیا گیا لیکن حالات اس کیلئے بھی سازگار نہیں ہوئے۔ اس طرح تقریباً پورے چار مہینے انتشار، تعطل اور خانہ بدوشی میں گذرے اور مدرسہ اور دائرہ حمیدیہ دونوں کا نظام کار درہم برہم رہا۔ اب وسط اپریل سے خدا خدا کر کے پھر اجتماع اور حرکت و عمل کی صورتیں پیدا ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ حالات کو سازگار بنائے، اور دلجمعی اور سکون کے ساتھ پچھلے نقصانات کی تلافی کا سامان کرے، ہر حال میں اسی کی امداد و نصرت کا سہارا اور اسی کی تدبیر و کارسازی کا بھروسہ ہے، نعم المولیٰ و نعم النصیر۔

الاصلاح کی اشاعت اس بیچ میں بالکل غیر منتظم رہی۔ پریس کے عملہ نے جہاں تک حق رفاقت کا تعلق ہے اس کے ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ وہ برابر اس کے لئے آمادہ رہے کہ جس طرح ممکن ہو گا وہ رسالہ چھاپ کر طیار کریں گے، مگر ان کی وفاداری اور محبت کا ......

اس قدر کثیر امتحان لینا مروت کے خلاف معلوم ہوا اور مجبور ہو کر مارچ میں پریس ایک مہینہ کیلئے اور بند کر دیا گیا۔ دسمبر کے بعد مارچ میں دوبارہ یہ ناغہ الاصلاح کے پڑھنے والوں پر بہت شاق گذرا ہے لیکن وہ یقین کریں کہ ان سے زیادہ یہ بات خود ہم پر شاق گذری ہے۔ الاصلاح جیسا کچھ بھی برا بھلا نکلتا ہے، ہمارے دل کی خوشی اسی میں ہے کہ مہینے مہینے خریداروں کے پاس پہنچ جایا کرے اور ابتدائے اشاعت سے اب تک ایسا ہی ہوا ہے یہ اس سال جو موانع رہ رہ کر پیش آئے ہیں اور اس کی وجہ سے ادائے فرض اور خدمت میں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں، ان سے دل کو بڑا رنج ہوتا ہے، لیکن حالات پر کس کو اختیار ہے، اور خدا کے بھیدوں اور حکمتوں کو کون جانتا ہے!

بہرحال الاصلاح کے قارئین اطمینان رکھیں کہ ناغہ اور تاخیر اشاعت سے جو تکدر ان کو ہوا ہے، اس کی تلافی تو اپنے بس میں نہیں لیکن پرچہ کے اعداد کا جو نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کسی نہ کسی موزوں شکل میں انشاء اللہ ہو کے رہے گی۔

حافظ واجد صاحب مرحوم اس بیچ میں مدرسہ کو اپنے ایک خاص ہمدرد بزرگ حافظ واجد صاحب مرحوم کی وفات کا صدمہ سہنا پڑا۔ حافظ صاحب مرحوم مدرسہ کے پڑوس کی ایک بستی طوا کے رہنے والے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو جتنی اولادیں دیں سب جوانی میں لے لیں۔ بڑھاپے میں وہ اپنی تمام جائداد اور تمام اثاث البیت مدرسہ پر وقف کر کے مدرسہ ہی میں مقیم ہو گئے۔ طلبہ کو اپنی اولاد اور اساتذہ کو اپنا بھائی اور عزیز سمجھتے تھے۔ اور اپنی اس زندگی پر بہت خوش تھے۔ بڑھاپے میں بالعموم طبیعت پر چڑچڑاپن غالب آجاتا ہے اور آدمی تنگ مزاج ہو کر لوگوں پر ایک بوجھ بنجاتا ہے لیکن حافظ صاحب مرحوم (اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے) نہایت صابر و شاکر طبیعت رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے اس نئے روحانی کنبہ کی اطاعت و خدمت کو کبھی ناخوش

میں نہیں ڈالا۔ جب تک رہے خوش اور مطمئن رہے، مدرسہ کی خیرخواہی، طلبہ پر شفقت، اساتذہ سے اخلاص ان کا دن رات کا وظیفہ تھا۔ ان کے اٹھ جانے کے بعد ہر شخص کو ایسا معلوم ہوا ہے گویا اس علمی خاندان کا ایک بڑا بوڑھا اٹھ گیا۔

حافظ صاحب مرحوم کوئی تعلیم یافتہ آدمی نہیں تھے، بچپن میں قرآن شریف یاد کیا تھا، اور شاید بدقت کچھ اردو کے حرف آشنا تھے، مگر وہ اس نکتہ کو سمجھ گئے تھے کہ "تو اپنی دولت خدا کے پاس رکھ کیونکہ جہاں تیری دولت رہے گی وہیں تیرا دل بھی رہے گا" ممکن ہے ان کے دل کے کسی گوشہ میں، اپنی اولاد کا غم بھی رہا ہو مگر یہ غم کبھی زبان پر نہ آیا۔ وہ مدرسہ کے بچوں کو اپنی اولاد سمجھتے تھے۔

ہم لوگوں میں سے برادرم مولوی حافظ عبدالاحد صاحب اصلاحی نے ان کی خدمت کی خاص توفیق پائی۔ اللہ تعالی حافظ صاحب مرحوم کو اپنے جوار کی سرتیں بخشے اور ہماری قوم ایسی مثالوں سے کبھی خالی نہ ہو۔

فتوحات! ان صفحات میں بار بار یہ خبر دی گئی ہے کہ الاصلاح کے مصارف اسکی آمدنی سے پورے نہیں ہوتے اور یہ اعلان بھی ایک سے زیادہ مرتبہ ہو چکا ہے کہ خسارہ زیادہ تر دائرہ کے صدر جناب ڈاکٹر، حاجی، حافظ حفیظ اللہ صاحب اور دائرہ کے رکن جناب شیخ سلیمان صاحب (مقیم رنگون) پورے کرتے ہیں۔ اب یہ حالت ایک مستقل حالت ہے اور روز روز کا یہ اعلان نہ ان مدد کرنے والوں کو پسند ہے اور نہ ہم کو۔ پس اس مستمر حالت میں اگر کوئی نیا تغیر پیش آئیگا تو اس کی خبر دی جائے گی ورنہ لوگوں کو خود بخود سمجھنا چاہیے کہ انہی ہمدردوں کی اعانت و کفالت سے یہ کارخانہ چل رہا ہے۔ لینے والوں کے استغنا کی چاہے کچھ حقیقت نہ ہو مگر دینے والوں کی

بلند نظری کا مقتضا یہی ہے کہ یہ امور بار بار ذکر میں نہ آئیں۔

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ کے مسودات میں سے مقدمہ نظام القرآن مع تفسیر بسم اللہ و تفسیر فاتحہ شائع ہو چکا ہے۔ ان اوراق کے قدرداں اس ملک میں کتنے ہیں؟ اس کا سب سے زیادہ صحیح جواب ہم دے سکتے ہیں لیکن

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز

بہرحال یہ اجزا چھپ گئے اور جیسا کہ اعلان کیا گیا تھا مولوی اختر احسن صاحب اصلاحی اب تفسیر سورہ بقرہ کی تبییض و تسوید میں مشغول ہیں، ان شاء اللہ بہت جلد ہم اس کو بھی چھاپ کر شائع کر دیں گے۔ ہمارا مقصد صرف ان کو چھاپ دینا ہے اور اللہ تعالے سے دعا ہے کہ جلد ان سے فرصت و فراغت نصیب ہو۔ ان کے قدردانوں کی تعداد کے متعلق نہ پہلے کوئی حسن ظن تھا اور نہ اب کوئی مایوسی ہوئی ہے، جو پیش آ رہا ہے عین توقع کے مطابق ہے۔ البتہ جو احباب بقول غالب

اپنے پہ کر رہے ہیں قیاس اہل دہر کا

اگر چاہیں تو ہم تمام اسرار درون پردہ ان کے سامنے رکھ دے سکتے ہیں تاکہ وہ معلوم کر سکیں کہ

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا

تاہم نہ ہمارے دل امید کے ولولوں سے معمور تھے اور نہ اب ان حالات کو دیکھ مایوسی کے زخموں سے پرخون ہوئے ہیں، ہم جب تک اللہ تعالی کی مرضی ہے اس کام میں مشغول رہیں گے اور کیا عجب کہ وہ دن بھی آئے کہ یہ ناممکن کام اتمام کو پہنچے۔

ہاں ایک خوشکن خبر اس سلسلہ میں یہ ہے کہ انشاء اللہ مولانا کی کتاب الاسالیب

اور اصول اسنادیں بھی ہم بہت جلد شائع کر سکیں گے۔ ان میں سے مقدم الذکر رسالہ کے مصارف طبع کی ذمہ داری ہمارے ایک مخدوم بزرگ نے لے لی ہے۔

بچوں کا دار الاقامہ بچوں کے دار الاقامہ کی تعمیر پوری سرگرمی سے جاری ہے۔ دیواریں تقریباً پوری ہو چکی ہیں یا ان سطور کی اشاعت تک پوری ہو جائیں گی۔ اب عمارت کا پورا ڈھانچہ سامنے آگیا ہے۔ اور یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ عمارت تمام کرا دی تو اس ویرانہ میں ایک اچھی عمارت بن جائے گی۔

اب تک کسی نہ کسی شکل میں یہ کام جاری رہا ہے لیکن اب سخت رکاوٹیں پیدا ہو رہی ہیں۔ اب گارڈر ڈال کر چھت پاٹنے کا وقت آگیا ہے اور اس کے لئے نقد دو تین ہزار روپے کی فوراً ضرورت ہے۔ اتنی بڑی رقم کا حاصل ہونا اس زمانہ میں بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن مدرسہ کے کاموں کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ انہی حالات کے اندر انجام کو پہنچایا ہے۔ مدرسہ کے ہمدردوں میں سے اگر چند کو بھی اس کی طرف توجہ ہو جائے تو اس کو وہ نہایت آسانی سے پورا کر سکتے ہیں۔ وقت تھوڑا ہے۔ اور گرمی کے بعد برسات کا موسم آتا ہے اگر خدانخواستہ اس وقت چھت ڈالنے اور عمارت کو محفوظ کر لینے کی صورتیں پیدا نہ ہو سکیں تو برسات میں پوری عمارت کے لئے خطرہ ہے۔ یہ عمارت بڑے حوصلوں اور ارمانوں سے بنی ہے اور اس کے پورے ہونے پر بہت سے تعلیمی ارادوں کا انحصار ہے۔ مدرسہ کے جن ہمدردوں کی نظر سے یہ سطریں گذریں امید ہے وہ ان سے سرسری نہ گذر جائیں گے۔ اس وقت یہ مسئلہ مدرسہ کے تمام کارکنوں کے لئے ایک پریشان کن مسئلہ ہے۔ ضرورت ہے کہ مدرسہ کے تمام ہمدرد اس کے حل کرنے میں کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں۔

جمعیۃ علمائے ہند کا اجلاس جمعیۃ علمائے ہند کا جو اجلاس دہلی میں ہوا اس کی کامیابی پر موافق و مخالف دونوں متفق ہیں۔ مخالف پروپگنڈے اور ناساعد حالات کے ہجوم کے اندر ایسا اجتماع ہماری سیاسی تاریخ کے عجائب میں سے ہے۔ لوگوں نے یہ اچھی طرح محسوس کر لیا کہ علماء نے اپنی راہ سوچ سمجھ کر طے کی ہے اور کوئی بے معنی شور و غوغا اس سے ان کو پھیر نہیں سکتا۔ تجویزوں کو پاس کرنے میں جس جرأت کا جمعیۃ نے اظہار کیا ہے اس کی مثال کانگریس کی تاریخ میں بھی نہیں مل سکتی۔ نظم کی مضبوطی کا اندازہ مولانا شبیر احمد عثمانی کے اس بیان سے کرنا چاہئے جو اخباروں میں چھپا ہے۔ قرآن و حدیث کے خادموں سے ہر شخص کو اسی روشن ضمیری کی توقع کرنی چاہئے۔ ہماری زندگی اسی التزام جماعت میں ہے۔ ہم دل سے دعا کرتے ہیں کہ ان ظاہری کامیابیوں کے بعد اللہ تعالیٰ جمعیۃ کو حقیقی کامیابی سے بھی سرفراز فرمائے۔ یعنی جو تجویزیں پاس ہوئی ہیں ان پر عمل بھی ہو۔

یہ بالکل غلط اعتراض ہے کہ جمعیۃ نے بے قید و شرط کانگریس میں جانا منظور کر لیا۔ جمعیۃ ان تمام تجویزوں ..... کے ساتھ کانگریس کے ساتھ تعاون کر رہی ہے جو دہلی میں پاس ہوئی ہیں۔ یہ سب قیود و شرائط ہی ہیں۔ جمعیۃ یا تو ان کو منظور کرائے گی یا پھر کانگریس سے جنگ کرے گی۔ قید و شرط اور اتمام حجت کی صحیح ترین راہ جمعیۃ نے اختیار کر لی ہے۔ کانگریس کے عزائم و اعمال کے جو گوشے قابل تنقید تھے ان سب کو جمعیۃ نے مجروح کیا ہے۔

یہ بھی وقت کی نہایت ضروری بات تھی کہ جمعیۃ کے قانون اساسی میں بعض تبدیلیاں ہوں۔ ہمارے احباب ایک طرف تو ہندوستان میں قائم ہونے والی ڈیماکریسی اور متحدہ قومیت کو لعنت کہتے ہیں اور دوسری طرف لیگ اسی متحدہ قومیت اور ڈیماکریسی کا خواب نہ صرف مشترک ہندوستان میں بلکہ اپنے محبوب پاکستان میں بھی دیکھ رہی ہے۔ جو حضرات لیگ کی

کی حمایت میں قرآن و حدیث سے دلیلیں ڈھونڈھا کرتے ہیں، وہ قرآن کی رو سے اس متحدہ قومیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس میں سنی، شیعہ، قادیانی، خوجے، بوہرے وغیرہ سب شریک ہوں اور ان سب کی اکثریت جو ناپ شناپ بات طے کر دے وہ ملت کا قانون بنے کیا اسلام میں یہ متحدہ قومیت اور ڈیماکریسی جائز ہے۔

ہمارے نزدیک صحیح نظام شرعی وہی ہے جو علما نے قائم کیا ہے۔ البتہ اس میں بعض اصلاحات ناگزیر ہیں۔ ہماری قوم تین قسم کی جماعتوں پر مشتمل ہے۔ علماء جو دین کے عالم ہیں، عام تعلیمیافتہ جو دین کے عالم نہیں ہیں مگر عام امور عملیہ میں مشورہ دے سکتے ہیں، عوام جو دینی و دنیاوی دونوں تعلیموں سے محروم ہیں۔ پس ہمارے جماعتی نظام کو ایسا ہونا چاہئے کہ خالص امور دینیہ میں صرف مقدم الذکر جماعت دخل دے سکے۔ عام امور عملیہ میں دوسری جماعت کا مشورہ بھی حاصل ہو سکے۔ اور عام مسلمان سمع و اطاعت کا عہد کریں۔ اس طرح جمعیۃ علما کے نظام کو ایسا حاوی اور ہمہ گیر ہونا چاہئے کہ ہماری تمام جماعتیں اور ہمارے کاموں کے تمام شعبے اس کے دائرہ کے اندر آجائیں اور ہر چیز اپنی اپنی جگہ حاصل کرے۔

یہ نظام جماعت ہمارے اصل نظام جماعت سے اوفق و اقرب اور مستقبل کے ہندوستان میں اس کو اس کے اپنے مخصوص فرائض و حقوق کے ساتھ قائم رکھنا چاہئے۔ یہ ہماری تہذیبی و مذہبی خصوصیات کو قائم رکھنے اور ترقی دینے کے لئے کافی ہے۔ جو لوگ اس نظام کو اس لئے ناپسند کرتے ہیں کہ وقت کے جمہوری تصورات کے ٹھیک ٹھیک مطابق نہیں ہے۔ انھوں نے نہ تو اسلامی نظام جماعت کی خصوصیات کا مطالعہ کیا ہے اور نہ اس امر سے واقف ہیں کہ موجودہ زمانہ کی ڈیماکریسی اپنے اندر کتنی کمزوریاں چھپائے ہوئے ہے۔

معارف قرآن

تفسیر سورۂ تحریم

۴

صغت قلوبکما کی لغوی تحقیق

۱۔ دنیا کی تمام زبانوں میں عموماً اور عربی زبان میں خصوصاً، خاص خاص الفاظ خاص خاص معانی کے لئے آتے ہیں اور اس کے باوجود وہ ایک کلی معنی کے ماتحت ہوتے ہیں۔ جو لوگ زبان کی ان خصوصیات سے ناواقف ہیں وہ زبان کے فہم سے محروم ہیں۔

مثلاً "میل" (جھکنا، ہٹنا) ایک کلی مفہوم ہے، اس کے ماتحت عربی میں بہت سے الفاظ ہیں۔ مثلاً زیغ، جور، ازورار، حیادۃ، انحراف وغیرہ، لیکن یہ سب 'میل عن الشئ' یعنی کسی چیز سے ہٹنے اور پھرنے کے لئے آتے ہیں۔ پھر اسی کے ماتحت فیء، توبہ، التفات اور صغو وغیرہ الفاظ ہیں جو سب کے سب 'میل الی الشئ' یعنی کسی چیز کی طرف مائل ہونے اور جھکنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ جو لوگ اس قسم کے باریک فرقوں سے ناواقف ہیں، وہ زبان کے سمجھنے میں خود بھی غلطیاں کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی غلطیوں میں ڈالتے ہیں۔

اس نکتہ کے واضح ہو جانے کے بعد عربی زبان کے ایک عالم سے یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ صغت قلوبکما کے معنی 'انابت قلوبکما والتفت الی اللہ ورسولہ' (یعنی تم دونوں کے دل اللہ

اور اس کے رسول کی طرف جھک چکے ہیں (کے ہوں گے)۔ کیونکہ صغو کا لفظ کسی شے کی طرف جھکنے کے لئے آتا ہے۔ کسی شے سے مڑنے اور ہٹنے کے لئے نہیں آتا۔ لفظ کی یہ حقیقت اس کے تمام مشتقات میں بھی موجود ہے۔ مثلاً صاغیۃ الرجل، کسی شخص کے اتباع کو کہتے ہیں۔ صغوہ معک، یعنی اس کا میلان تمہاری طرف ہے۔ اصغیت الی فلان، اس کی طرف تم نے کان لگایا۔ حدیث شریف میں ہے: ینفخ فی الصور فلا یسمعہ احد الا اصغی لیتا۔ صور پھونکا جائے گا تو کوئی سننے والا نہ ہوگا جو اس کی طرف اپنی گردن نہ موڑے۔ اسی طرح محاورہ ہے 'اصغت الیہ سمعی' یعنی بچہ اپنی آغوش محبت کو خوب پہچانتا ہے۔ اسی سے ہے 'صغت الشمس والنجوم' سورج اور ستارے زمین کی طرف جھک گئے۔ ہرہ والی حدیث میں ہے: کان یصغی لہا الاناء، اس کے لئے برتن کو جھکا دیتے تھے تاکہ وہ آسانی سے پانی پی سکے۔ برتن کے جوف کو صغو کہتے ہیں کیونکہ چیز اس میں مجتمع ہوتی ہے۔

ابن بری نے 'اصغاء سمع' (کسی کی طرف کان لگانا) کے ثبوت میں کسی شاعر کا مندرجہ ذیل شعر پیش کیا ہے۔

ترى السفيه به عن كل مكرمة   زيغ وفيه الى التسفيه اصغاء

بے وقوف آدمی کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ عزت و شرف کی ہر بات سے منہ موڑتا ہے اور سفاہت کی باتوں کی طرف کان لگاتا ہے۔

ذوالرمہ اپنی اونٹنی کی تعریف کرتا ہے۔

تصغي اذا شدها بالكور جانحة   حتى اذا ما استوى في غرزها تثب

جب مسافر اس پر کجاوہ کستا ہے تو وہ گردن موڑ کر کان لگاتی ہے یہاں تک کہ جب وہ اس کے رکاب میں پاؤں رکھ دیتا ہے تو وہ جھپٹ پڑتی ہے۔

اعشی اپنے گھوڑے کی آنکھ کا ذکر کرتا ہے۔

ترى عينها صغواء في جنب موقها   تراقب كفي والقطيع المحرما

اس کی آنکھ گوشہ چشم کی طرف جھکی ہوئی ہوتی ہے اور وہ میری ہتھیلی اور سخت کوڑے کو دیکھتی ہے۔

عرب تو لب 'اصغاء اناء' کا محاورہ انڈیل دینے کے معنی میں استعمال کرتا ہے۔

وان ابن اخت القوم مصغى اناؤه   اذا لم يزاحم خاله باب جلد

اور قوم کے بھانجے کی حق تلفی کی جاتی ہے اگر وہ اپنے ماموؤں کی ایک   بہادر باپ سے مزاحمت نہ کرے

ہم نے یہ تمام اشعار لسان العرب سے نقل کئے ہیں۔ اور جگہ جگہ بعض مفید اشارے بھی کر دیئے ہیں۔ جن لوگوں کو حق کی تلاش ہے ان کے لئے یہ شواہد کافی ہیں۔ وہ ان کو پاکر پوری طرح مطمئن ہو جائیں گے۔ اور گڑبڑنے والوں نے روایات و آثار میں جو زہر ملا دیا ہے اس سے ہلاک نہ ہوں گے۔ انھوں نے جب کتاب الٰہی میں لفظی تحریف کی راہیں بند دیکھیں تو معنوی تحریف ہی کے لئے اپنے حربے اٹھائے۔ اور کیا لفظی تحریف کی جرأت سے یہ حضرات باز رہے؟ ابو سعود رحمۃ اللہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ایک قرأت "زاغت" کی بھی ہے۔ لیکن اس کو صیغہ مجہول سے بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی ناقابل اعتنا شخص کا قول ہے۔ تاہم دیکھو صغی کے معنی زاغ کر دینے کے لئے کیا کیا کوششیں کی گئی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ حق کو باقی رکھتا ہے۔ اور باطل کو برابر چھانٹتا رہتا ہے۔

"فان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما" کے اسلوب کی وضاحت

۱۲۔ صغت قلوبکما کے معنی واضح ہو جانے کے بعد اس آیت کے اسلوب پر غور کرنا چاہئے تاکہ اس کے تمام اجزاء کا باہمی تعلق بھی واضح ہو جائے۔

اہل عرب کے متعلق یہ بات معلوم ہے کہ وہ کلام میں حشو و زوائد سے بہت بچتے ہیں اور بات کے جتنے حصہ کا حذف ممکن ہو اس کے ذکر کو بلاغت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ یہ فن بلاغت کا ایک نہایت وسیع باب ہے جس کی تفصیلات طویل ہیں۔ ہم یہاں صرف اتنے حصہ پر بحث کرنا چاہتے ہیں جتنا "ان" شرطیہ اور "قد" سے تعلق رکھتا ہے۔

پہلے ہم بعض مثالیں نقل کریں گے تاکہ جس محذوف کو ہم روشنی میں لانا چاہتے ہیں اس کی طرف اشارہ کر سکیں۔

قرآن مجید میں ہے:-

إِن تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ — اگر تم فتح چاہتے تھے تو فتح آگئی

دوسری جگہ ہے:-

وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ — اگر یہ تم کو جھٹلاتے ہیں تو کچھ تعجب نہیں تم سے پہلے دوسرے انبیاء کو بھی جھٹلایا گیا۔

ایک جگہ ہے:-

فَإِن يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ — اگر یہ اسکا انکار کرتے ہیں تو کچھ غم نہیں ہم نے اس پر ایک ایسی قوم مامور کی ہے جو اس کی منکر نہیں ہے۔

کلام عرب میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں، جاہلی شاعر مرداس بن حصین کہتا ہے۔

فان تنزاهم فلقد ترکنا — کفاءهم لدی الالہ برالمصانع

ان تمام مثالوں پر غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ اس طرح کے اسالیب میں قد کے بعد جو جملہ ہوتا ہے وہ اس امر کی آسانی اور سہولت کو بیان کرتا ہے جو اِن کے بعد کہی جاتی ہے۔ یعنی اسلوب کے محذوف کو اگر کھول دیا جائے تو گویا تقدیر کلام یہ ہوگی کہ اگر ایسا ایسا ہوا تو کچھ ہرج نہیں، یا کوئی اشکال نہیں، یا یہ معمولی بات ہے کیونکہ ایسا ایسا ہو چکا ہے۔ پس اس آیت کی تاویل یہ ہوگی کہ اگر تم پیغمبر کی رضاجوئی کے لئے خدا سے توبہ کرو، جس طرح کہ پیغمبر تمہاری دلداری فرماتا ہے، تو یہ بات تم سے متوقع ہے کیونکہ تمہارے دل تو اس کی طرف مائل ہی ہیں۔ یہ ایک کھلی واضح اور صاف تاویل ہے جس میں نہ کسی قسم کا اشکال ہے نہ کوئی شائبہ تکلف۔ پھر نہیں معلوم کیوں صوفی روایات پر

بھروسہ کرکے، جو حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، حالانکہ ان کا دامن ان سے پاک ہے، لوگوں نے لفظ کے ٹھیک معنی اور کلام کے صحیح مدعات، اعراض کیوں جائز سمجھا!

"توبا الی اللہ" اور "توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا" میں ربط اور بعض نکات

۱۳- یہاں توبہ سے مراد وہ کامل توبہ ہے جس کے بعد کسی اختلاف و اعراض کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ یہی توبہ ہے جو دل کے جھکاؤ اور قلب کے انقیاد کے بعد ظہور میں آتی ہے۔ اسی توبہ سے میاں بیوی دو جسم یک جان ہوتے ہیں، یہی توبہ ہے جس سے بندہ اپنے مولیٰ کی بندگی میں فنا ہو جاتا ہے اور مولیٰ اس کا کان، اس کی آنکھ اور اس کا دل بن جاتا ہے۔ قدیم صحیفوں میں فرمانبرداری امت کی مثال اکثر بیٹے اور فرمانبردار بیوی سے دی گئی ہے۔ یہاں ہم صرف بعض اجمالی اشارات پر قناعت کرتے ہیں ان کی تفصیل ہماری کتاب الامثال الالٰہیۃ میں ملے گی۔

یہود اور نصاریٰ کم فہمی کی وجہ سے اس طرح کی مثالوں سے دھوکے میں پڑ گئے۔ وہ اپنی نسبت سمجھ بیٹھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں۔ قرآن اسی وجہ سے اس طرح کے کلام سے بچتا ہے۔ تاہم بسا اوقات بعض لطیف اشارے ایسے کر جاتا ہے جس سے خواص کے علم و بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے اور عوام اس سے کسی فتنہ میں نہیں پڑتے۔ (دیکھو تفسیر سورۂ طلاق)

چنانچہ یہاں پیغمبر صلعم کی بیویوں کو کامل توبہ کا حکم دینے کے بعد عام بندوں کو بھی توبہ کا حکم دیا اور اس کے ساتھ "نصوح" کی قید لگائی یعنی یہ توبہ خالص توبہ ہو اور ان کے لئے روشنی، قربت اور پیغمبر کی صحبت و معیت کا وعدہ کیا، جیسا کہ دنیا میں ان کو پیغمبر کی صحبت اور اپنے اہل و عیال کی معیت حاصل تھی چنانچہ ان امور کا مختلف مقامات میں ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً اہل و عیال کی معیت کے متعلق فرمایا:-

والذین امنوا واتبعتھم ذریتھم — اور جو لوگ کہ ایمان لائے اور انکی اولاد نے انکی پیروی کی

بایمان الحقنا بھم ذریتھم	ایمان کے ساتھ، ہم ان کے ساتھ انکی اولاد کو ملا دیں گے۔

دوسری جگہ ہے:-

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَسَوْفَ	اور جن کو ان کا اعمالنامہ دہنے ہاتھ میں تو انکا
يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا وَّيَنْقَلِبُ	حساب سہل ہوگا اور خوش خوش اپنے اہل میں
اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا	لوٹیں گے۔

اسی طرح نیکو کاروں کے آپس کے اجتماع کا بھی ذکر فرمایا ہے:-

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ	اے قرار کرنے والی جان، لوٹ اپنے پروردگار کی
اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ؀	طرف خوش خوش اور پسندیدہ ہوکر، اور شامل ہو میرے
فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ	بندوں میں اور داخل ہو میری بہشت میں۔

اسی طرح خود اپنی قربت کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ	اور آگے رہنے والے تو وہی لوگ مقرب
الْمُقَرَّبُوْنَ۔	ہیں۔

اور اوپر والی آیت میں "ارجعی الی ربک" (اپنے پروردگار کی طرف لوٹ) اور "جنتی" (میری بہشت) کے الفاظ سے بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ قرآن اور دیگر انبیاء کے صحیفوں میں یہ مضمون اشارۃً اور تصریحاً بار بار بیان ہوا ہے اور حق یہ ہے کہ جو بہشت قرب و وصال کی لذتوں سے خالی ہے وہ بندوں کے لئے دوزخ ہے۔ چنانچہ دوزخیوں کی سب سے بڑی محرومی و نامرادی قرآن نے یہی بیان کی ہے کہ انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون۔ وہ اپنے پروردگار سے اس دن اوٹ میں ہونگے۔

الغرض جو شخص ٹھیک ٹھیک سمجھ جائے گا کہ توبہ اور رجوع کی اصلی حقیقت دنیا اور آخرت میں کیا ہے۔ علاوہ یہ بات بھی سمجھ جائے گا کہ بندہ توبہ کرکے اپنے مولیٰ سے اپنے ٹوٹے ہوئے رشتہ کو جوڑتا ہے

اور غیروں کے بندھن سے آزاد ہوتا ہے اور اسی میں اسی کی رضا اور خوشی مضمر ہے، پھر اس امر پر بھی نظر رکھیگا کہ عورت جب اپنے شوہر سے خیانت کرتی ہے تو یہ چیز شوہر کی آتش غیرت و غضب کو سب سے زیادہ بھڑکانیوالی ہوتی ہے تو وہ شخص اس مثل کے موقع و محل اور اس کی اصلی حقیقت کو ٹھیک ٹھیک پائے گا اور اس پر یایھا النبی جاھد الکفار سے لیکر آخر سورۃ تک کا تمام نظم بالکل روشن ہوجائیگا۔

"یایھا النبی جاھد الکفار" کی تفسیر اور سورہ سے اسکا تعلق

۱۴- "یایھا النبی جاھد الکفار والمنفقین واغلظ علیھم" (اے پیغمبر کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو) میں سخت ترین تبلیغ ہے تاکہ جن لوگوں میں توبہ اور اصلاح حال کی ادنیٰ صلاحیت بھی موجود ہو وہ توبہ کرکے پیغمبر کی اطاعت کے حلقہ میں داخل ہوجائیں۔ بعینہٖ یہی آیت سورہ توبہ میں بھی وارد ہے اور اس کے بعد یہ آیت ہے۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا	وہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انھوں نے کوئی بات
كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ	نہیں کہی اور بے شبہ انھوں نے کفر کی بات کہی
وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ	اور انھوں نے کفر کیا اسلام لانے کے بعد اور انھوں
اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ	نے ایک ایسی چیز کی خواہش کی جو ان کو نہیں ملی
فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ	اور نہیں ہے ان کا غصہ مگر اس لئے کہ اللہ اور اس کے
وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا	رسول نے اپنے فضل سے ان کو مستغنی کیا ہیں اگر
اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۔ (توبہ - ۷۴)	وہ توبہ کریں تو ان کے لئے بہتر ہے، اور اگر انھوں نے
	منہ موڑا تو اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک

اس آیت سے یہ امر بالکل واضح ہوگیا کہ تبلیغ کی یہ سختی محض اس لئے تھی کہ جس میں قبولیت کی کچھ

صلاحیت ہے وہ اس جھنجوڑنے سے بیدار ہوجائیں اور صرف وہی لوگ باقی رہجائیں جن کے لئے عذاب کا نازیانہ مقدر ہوچکا ہے۔ ہم نے سورۂ توبہ میں تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ یہ غلظت اور سختی محض توبہ کے غرض سے تھی تاکہ نیکی کا جوہر برائی کے کھوٹ سے صاف ہو کر نمایاں ہوجائے۔ قدرت کا یہ منشا درشتی اور نرمی دونوں سے پورا ہوتا ہے چنانچہ قرآن مجید نے ان دونوں کی مثالیں بیان کی ہیں۔

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ	اور آسمان سے پانی اتارا پس وادیاں اپنے
بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا	اندازے کے ساتھ بہ نکلیں پھر سیلاب نے ابھرے
رَّابِيًا (الرعد)	ہوئے جھاگ اٹھا لئے۔

یہ نرمی کی مثال ہے اس کے بعد سختی کی مثال دی ہے

وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ	اور جن چیزوں پر آگ دہکاتے ہیں زیور یا کوئی اور
ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ كَذَٰلِكَ	سامان بنانے کے لئے اس پر اسی طرح کا جھاگ
يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَأَمَّا الزَّبَدُ	ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ حق و باطل کو ٹکراتا ہے[1] پس
فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ	جھاگ تو مٹ جاتا ہے باقی جو چیز لوگوں کو نفع
فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ	پہنچاتی ہے وہ زمین میں ٹھک جاتی ہے اسی طرح
اللَّهُ الْأَمْثَالَ (الرعد)	اللہ مثلیں بیان کرتا ہے۔

اس جانچ پرکھ کی سخت گیری کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ تعلقات اور قرابت کی وہ تمام زنجیریں ٹوٹ کے گر جاتی ہیں جو آدمی کو حق کے رشتہ سے روکتی ہیں۔ یہاں تک کہ آدمی اپنے ماں باپ اور اہل و عیال کے تمام ناتوں کو کاٹ کے صرف اللہ کے ایک ہی رشتہ سے جڑ جاتا ہے اور پاکی اور پاکیزگی کا یہی وہ

---

[1] یعنی اللہ تعالیٰ حق و باطل کو ٹکراتا ہے پس باطل پارہ پارہ ہوجاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: بل نقذف بالحق على الباطل فيدمغه فاذا هو زاهق - منہ

مقام ہے جس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ومطهرك من الذين كفروا اور میں تم کو ان لوگوں کی آلودگی سے پاک کرنے والا ہوں جنھوں نے کفر کیا۔

چاروں مثالوں کی شرح

اس پاکیزگی اور تمام دنیاوی تعلقات کے انقطاع کے مضمون کو اچھی طرح واضح کر دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے چار مثالیں بیان فرمائی ہیں جن سے اس بنیادی حقیقت کی تمام تفصیلیں سامنے آجاتی ہیں۔ ہم ذیل میں ان نتائج کو پیش کرتے ہیں جو ان مثالوں سے نکلتے ہیں۔

۱۔ نیکوکاروں کا رشتہ قرابت آخرت میں، بدکاروں کے کچھ کام نہ آئے گا۔

۲۔ نیکوکار خود اپنے برے رشتہ داروں سے علحدگی اختیار کر لیتے ہیں اور سب کو چھوڑ کر اللہ و رسول کے دامن میں پناہ لیتے ہیں۔ چنانچہ فرعون کی بیوی نے دعا کی رب ابن لی عندك بيتا فی الجنة ونجنی من فرعون وعمله ونجنی من القوم الظالمين (اے میرے پروردگار میرے لئے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا اور مجھکو فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے اور مجھکو ظالم قوم سے نجات دے) اس نے اپنی قوم اور اپنے شوہر کے رشتہ پر مقراض چلادی اور اپنے لئے اپنے پروردگار کی رحمت کے پڑوس میں ایک مکان کی دعا کی۔ اسی طرح تمام نیک بندے ظالموں اور بدکاروں کے ساتھ رشتہ کو کاٹ کے اللہ کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں اور یہی وہ اصلی پاکیزگی اور فرقان ہے جس کا قرآن میں بار بار ذکر آیا ہے۔ اور جب کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات میں بیان ہوا ہے یہی حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے ساتھ کیا اور ان کے اس طرز عمل کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ایک بہترین نمونہ قرار دیا۔ سورہ ممتحنہ میں اس کی پوری تفصیل بیان ہوچکی ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کی دعائیں دنیا میں قبول فرماتا ہے اور ان کو بروں کی صحبت و شرکت سے نجات دیتا ہے۔ چنانچہ فرعون کی بیوی کی دعا قبول فرمائی اور اس کو فرعون کے پنجہ سے نجات دی۔

بعینہ یہی حقیقت نوحؑ، ابراہیمؑ، لوطؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور تمام دوسرے انبیاء علیہم السلام کی سرگذشتوں سے واضح ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک ناقابل تبدیل قانون قرار دیا ہے اور قرآن مجید کے متعدد مقامات میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ مثلاً

الٓمّٓ۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا	الٓمٓ، کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ محض
اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ	اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے
وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ	اور وہ جانچے نہ جائیں گے اور ہم نے ان لوگوں
اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ	کو جانچا جو ان سے پہلے تھے پس اللہ تعالیٰ ضرور
الْکٰذِبِیْنَ۔ (عنکبوت)	کھولدیگا ان لوگوں کو جو سچے ہیں اور ان لوگوں کو

یہاں فلیعلمن (اللہ ان کو جانے گا) کا لفظ ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ تمام ظاہر و باطن اور کھلے چھپے کو جانتا ہے پس یقیناً اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے حالات کو مسلمانوں کے لئے بالکل عریاں اور آشکارا کر دے گا تاکہ وہ حکم الٰہی کے مطابق ایسے لوگوں سے علحدگی اختیار کر لیں جن کے باطن میں نفاق کی آلائش ہے۔

یہی بات دوسری جگہ اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔

مَا کَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی	اور اللہ مومنوں کو اس حالت میں چھوڑنے والا
مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ	نہ تھا جس میں تم تھے یہاں تک کہ الگ کرے برے کو
مِنَ الطَّیِّبِ وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَکُمْ	بھلے سے، اور اللہ تم کو غیب خبردار کرنے والا نہ تھا
عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ	بلکہ اللہ چن لیتا ہے جس کو چاہتا ہے اپنے رسولوں
رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ	میں سے پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسولوں پر [1]

[1] یعنی یہ تو نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ تم کو دلوں کے پوشیدہ رازوں سے خبردار کر دے۔ البتہ یہ ہوگا کہ منافقین (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹ پر ملاحظہ کیجئے)

وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَکُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ	اور اگر تم ایمان لاؤگے اور ڈروگے تو تمہارے لئے بڑا اجر ہے

اس بحث کی پوری تفصیل سورۂ حدید اور سورۂ کافرون وغیرہ کی تفسیر میں ملے گی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب تک فتح اور فرقان کی روشنی مطلع پر نمودار نہ ہو جائے اور جب تک مسلمان، کفار، اور منافقین بالکل علحدہ علحدہ متمائز جماعتوں کی شکل میں نمایاں نہ ہو جائیں اس وقت تک پیغمبر اپنی قوم سے رخصت نہیں ہوتا۔ اسی مقصد کے لئے ضروری ہوا کہ آخری مرحلہ میں درشتی اور سخت گیری بھی ظہور میں آئے تاکہ خدا کا نور اور دین کامل ہو جائے اور ایک ایسی امت پیدا ہو جائے جو اس دینی امانت کو اٹھا سکے۔ یہی جماعت حزب اللہ اور شہداء اللہ علی الناس کے لقب سے سرفراز ہوتی ہے۔

اس سخت گیری کی مثال حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ اور دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں میں ملتی ہے۔ آخر وقت میں ان سب کی دعوت نے شدت اور سخت گیری کا لب و لہجہ اختیار کر لیا۔

۴- کوئی باایمان امت جب اپنے دل کی تمام پاکی اور اپنی روح کی پوری طہارت کے ساتھ اپنے ایک ہی پروردگار کے لئے مخصوص ہو جاتی ہے۔ اور اپنے تئیں خطرہ کے تمام راستوں سے محفوظ کر لیتی ہے [1] تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس پر روح، طمانیت اور رزق حسن کی برکت اور

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸) رسول کی نافرمانیاں کر کے اپنا باطن تمہارے سامنے کھولدینگے۔ پس تمہارا فرض یہ ہے کہ رسول کی اطاعت و محبت میں زیادہ سے زیادہ سرگرم رہو اور اس طرح اپنے ایمان کو پختہ اور آشکارا کرو تاکہ تمہاری جماعت منافقین کی جماعت سے علاحدہ ممتاز ہو جائے اور تم اس اجر کے مستحق ہو جاؤ جو رسول کے پیرؤں کے لئے مخصوص ہے جیسا کہ بعد کی آیت میں بیان فرمایا ہے۔ منہ

[1] یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ "فرج" کے معنی جیسا کہ "احسنت فرجا" میں ہے موقع مخافت (اندیشہ کی جگہ) کے ہیں۔ لبید نے اپنے معلقہ کے ایک شعر میں اس لفظ کو اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔

فغدت کلا الفرجین تحسب انہا مولی المخافۃ خلفہا و امامہا (بقیہ حاشیہ ص ...)

نصرت و غلبہ کی بشارت سے کراتے ہیں۔ جیسا کہ ہم مریم بنت عمران علیہا الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں دیکھتے ہیں۔ اس کی پوری تفصیل سورہ مجادلہ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ وہاں فرمایا ہے: "لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا آباءہم او ابناءہم او اخوانہم او عشیرتہم اولئک کتب فی قلوبہم الایمان وایدہم بروح منہ ویدخلہم جنت تجری من تحتہا الانہر خلدین فیہا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ہم المفلحون۔"
اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ہم نے بیان کیا ہے کہ یہ جماعت جو حزب اللہ کے لقب سے پکاری گئی ہے فتح و نصرت سے سرفراز ہوتی ہے۔ اور اس کی تفصیل متعدد سورتوں مثلاً —— آل عمران، انبیاء، نور، صف، قل یا ایہا الکفرون اور نصر وغیرہ میں ملے گی۔

پس ان چاروں مثالوں میں کفار کی نامرادی اور نیکوکاروں کے غلبہ کی طرف اشارہ ہے اور سورہ کا خاتمہ فرمانبرداری اور انابت الی اللہ کے ذکر پر ہوا ہے اور اس طرح احکامی سورتوں کا حصہ پورا ہوگیا اور اس میں بعینہ وہی ترتیب ملحوظ ہے جو ترتیب خود فطرت کے اندر ہے۔ یہ ترتیب خود بعثت کے احوال و وقائع میں موجود ہے بلکہ مخلوق کے اندر جو سنت اللہ جاری و نافذ ہے اس کی بھی یہی ترتیب ہے کیونکہ آخری مرحلہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے ہی کا ہے۔ وہو المولیٰ وہو النصیر۔ سورہ اخلاص وغیرہ میں اس کی مزید تفصیل ملے گی۔

یہ ان مثالوں کی اجمالی حقیقت کی طرف اشارہ تھا اب ہم انکی تشریح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

(باقی)

(بقیہ حاشیہ ۱۴۷) اور کلام عرب میں یہ لفظ اس مفہوم میں بہت استعمال ہوا ہے۔ سورہ انبیاء کی تفسیر میں ہم نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔ منہ

ذبیح کون ہے؟

(۱۴)

بعض مشہور متاخرین کے اقوال

۴۰۔ تمام مشہور مفسرین میں سے، علامہ ابن جریرؒ کے سوا مجھے کوئی نہیں ملا جو قطعیت کے ساتھ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کا قائل ہو۔ صرف علامہ ابن جریرؒ نے حضرت اسحٰقؑ کے ذبیح ہونے کے مذہب کو ترجیح دی ہے اور اس کی تائید میں دلیلیں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ باقی دوسرے تمام مفسرین دو حصوں میں تقسیم ہیں۔ ایک جماعت دونوں مذہبوں کو نقل کرکے ذبیح اسمٰعیلؑ کے مرجح ہونے کی طرف اشارہ کردیتی ہے اور دوسری جماعت نہایت وضاحت و تصریح کے ساتھ اس کی قائل ہے۔

مدارک میں ہے:- "ظاہر قول یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں"۔

بیضاوی میں ہے:- "واضح بات یہ ہے کہ اس کے مخاطب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں"۔

جلالین میں ہے کہ:- "اسمٰعیلؑ مراد ہیں یا اسحٰقؑ"۔ دونوں مذہب ہیں۔ "لیکن میری نظر سے امام سیوطیؒ کا ایک رسالہ "الحق الصریح فی تعیین الذبیح" گذرا ہے جس میں وہ دونوں فریق کے اقوال و روایات جمع کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ پہلے میرا خیال تھا کہ ذبیح حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں لیکن اب اس معاملہ میں میں نے توقف اختیار کرلیا" درمنثور میں بھی ان کی یہی روش ہے۔ دونوں مذہب بغیر کسی ترجیح کے انھوں نے نقل کردیئے ہیں۔ غالباً توقف سے ان کا منشا یہ ہے کہ قطعیت کے ساتھ وہ ان میں سے کسی ایک مذہب کی ترجیح کا فیصلہ نہیں کرسکتے ہیں ورنہ ویسے

مرجح ان کے نزدیک بھی ذبیح اسمٰعیل ہی ہے۔ تفسیر جلالین سے ایسا ہی مترشح ہوتا ہے۔ بغوی اور خازن نے صرف دونوں مذہب کی روایات نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے کسی مذہب کو ترجیح نہیں دی ہے۔

ہمارے علماء نے اس معاملہ میں جو روش اختیار کی اس کے بہت سے اسباب ہیں اور نامناسب نہ ہوگا اگر ان میں سے بعض کی طرف یہاں اشارہ کر دیا جائے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ علمائے اسلام بالکل غیر متعصب تھے۔ کسی پیغمبر کی ترجیح و تقدم کے لئے ان کے اندر کوئی متعصبانہ داعیہ نہیں تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے معاملہ میں جب تک ان کے سامنے کوئی واضح دلیل موجود نہیں ہوتی تھی وہ کسی تاویل کو جزم و قطعیت کے ساتھ اختیار کرنے کی جسارت نہیں کرتے تھے۔ پھر ہمارے متاخرین کی یہ خصوصیت بھی قابل لحاظ ہے کہ وہ سلف کا غایت درجہ احترام ملحوظ رکھتے تھے چنانچہ جس مسئلہ میں وہ سلف کی رائیں مختلف پاتے تھے اس میں کسی ایک پہلو کو قطعیت کے ساتھ ترجیح دینے سے احتراز کرتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کرتے کہ جو مذہب خود ان کے نزدیک مرجح ہوتا اس کی طرف اشارہ کر دیتے۔ لیکن ان باتوں کے باوجود اگر کسی شخص کے سامنے کوئی مسئلہ بالکل غیر مشتبہ صورت میں آجاتا تو پھر اس کے اظہار و اعلان میں اس کو کوئی تذبذب بھی نہ ہوتا تھا۔

اور علامہ ابن جریرؒ کا علانیہ ذبیح اسحٰقؑ کے مذہب کو ترجیح دینا اس امر کا نہایت واضح ثبوت ہے کہ علمائے اسلام نے اس معاملہ کو تعصب کی نظر سے بالکل نہیں دیکھا۔

الغرض اس مسئلہ میں جتنا کچھ بھی اختلاف ہے وہ ارباب حق و انصاف کا اختلاف ہے اور خالص فکر و نظر کا پیدا کردہ ہے۔ نفس اور خواہش کی اس میں کوئی ملاوٹ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے سچے اصحاب علم کی یہی تعریف فرمائی ہے۔ والذین اوتوا العلم درجت دوسری جگہ فرمایا ہے:

وفوق کل ذی علم علیم۔ ایک جگہ فرمایا ہے واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ نیز فرمایا ہے:۔ الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ واولئک ھم اولوا الالباب۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اس مسئلہ میں ہمارے علماء کے اندر جو تھوڑا بہت اختلاف ہے اس سے بھی اسی مذہب کی تائید ہوتی ہے جس کو ہم نے بدلائل ثابت کر دیا ہے یعنی ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔

اہل عرب کے اقوال اور ان کے حالات قبل از اسلام سے استدلال

۳۹۔ باب اول اور باب ثانی میں وہ دلیلیں بیان ہو چکی ہیں جو یہود اور اہل عرب کے حالات اور خانہ کعبہ اور بیت المقدس کے مراسم و مناسک سے ماخوذ تھیں۔ ان کی روشنی میں ہم نے دیکھا ہے کہ بنائے ابراہیمی صرف خانہ کعبہ ہو سکتا ہے اور ذبیح صرف حضرت اسمٰعیلؑ ہو سکتے ہیں جو خانہ کعبہ کے جوار میں بسائے گئے۔ جو لوگ تاریخی قرائن و آثار سے استدلال کے عادی ہیں ان کے لئے ان ابواب میں کافی مواد بحث و نظر موجود ہے لیکن ہم اصل بحث کے تتمہ کے طور پر اس میں مزید اضافہ کرتے ہیں تاکہ اس اشارہ کی پوری تفصیل ہو جائے جو قرآن مجید کی اس آیت میں مضمر ہے۔

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ	اس میں نہایت واضح نشانیاں ہیں۔ ابراہیم
وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى	کے سکونت کی جگہ، اور جو اس میں داخل ہوا
النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ	وہ امون ہوا۔ اور لوگوں پر اللہ کے لئے بیت اللہ
إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ	کا حج کرنا ہے۔ جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھے

غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ — اور جس نے انکار کیا تو اللہ دنیا والوں سے بے پروا ہے۔

اس آیت میں "آیات بینات" (کھلی ہوئی نشانیاں) سے مراد، جیسا کہ ہم فصل ۲۳ میں بیان کر چکے ہیں، وہ بالکل غیر مشتبہ اور قطعی دلائل ہیں جو سب کے نزدیک بلا اختلاف مسلّم تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربان گاہ، مکہ میں ان کی تعمیر کی ہوئی مسجد اور ان کی اولاد کا ان کے تمام آداب و مناسک کا نسلاً بعد نسلٍ قبول کرنا اور ان پر قائم رہنا، یہ ایسے امور ہیں جو شہرت اور تواتر کی آخری حد تک پہنچ چکے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کیسے ممکن تھا کہ تمام عرب ان باتوں پر اتفاق کر لیتا اور جو لوگ اس دینی مرکز کے متولی ہوتے ان کی مذہبی سیادت سب کے نزدیک مسلّم ہو جاتی اور حج کے مہینوں میں لڑائی جیسے محبوب مشغلہ سے یہ لوگ باز رہتے۔ قبائل کی باہمی جنگ و پیکار، ان کا نسلی اختلاف و تفاخر، مختلف بتوں اور تھانوں کا وجود، یہ سب باتیں ان کی یکجہتی اور اتحاد کے خلاف تھیں تاہم خانہ کعبہ اور اس کے آداب و مناسک کے اہتمام و احترام میں سب یکدل تھے۔

یہ حیرت انگیز صورت حالات اس امر کا نہایت قوی ثبوت ہے کہ کعبہ کی تعمیر اور اس کے جوار میں اپنی ذریت کو آباد کرتے وقت حضرت ابراہیمؑ نے جو دعا فرمائی تھی وہ قبول ہوئی۔ اور چونکہ اس بنائے ابراہیمی کی محبت و عظمت حضرت ابراہیمؑ کی تمام ذریت بلکہ تمام اہل عرب کے دلوں میں جاگزیں تھی اس لئے مشہور نصرانی متعصب ابرہہ عربوں کو بیت اللہ کے حج سے کسی طرح نہ روک سکا۔ یہانتک کہ عاجز آکر اس نے بالآخر کعبہ کے ڈھانے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ قرآن نے اس کا ان لفظوں میں ذکر فرمایا ہے:۔ ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمه وسعی فی خرابھا اولئك ما كان لھم ان يدخلوھا الا خائفين لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الآخرة عذاب عظيم

عربوں کے حالات کا اتنا حصہ پوری قطعیت کے ساتھ معلوم ہے، رہے اس باب میں

ان کے اقوال و بیانات تو یہ معلوم ہے کہ اس کا بہت ہی تھوڑا حصہ ہم تک پہنچ سکا ہے تاہم ان کے کلام کا جو مختصر مجموعہ ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے اس میں اس امر کے نہایت قطعی دلائل موجود ہیں کہ اہل عرب کعبہ کو خدا کا گھر سمجھتے رہے ہیں اور اسی کے پاس ابراہیمی قربان گاہ ہے (جس کی تورات سے بھی تائید ہوتی ہے) نیز قربان پہلوٹھی کا بیٹا ہوا، جیسا کہ تورات میں تصریح ہے اور پہلوٹھی کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے جیسا کہ مسلمان اور اہل کتاب دونوں اس پر متفق ہیں۔

نابغہ نے اپنے ایک مشہور قصیدہ میں رب کعبہ کی قسم کھائی ہے۔ اور یہ قسم ان کے ہاں سب سے بڑی قسم تھی، اس قصیدہ میں وہ کہتا ہے

فلا لعمر الذی مسحت کعبته — وما ھریق علی الانصاب من جسد

پس نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے کعبہ کا میں نے طواف کیا اور ان مقدس خونوں کی قسم جو تھانوں پر بہائے گئے۔

والمؤمن العائذات الطیر یمسحھا — رکبان مکة بین الغیل والسعد

اور اس ذات کی قسم جو پناہ ڈھونڈنے والی چڑیوں کو پناہ دیتی ہے جن پر مکہ کے قافلے غیل اور سعد کے درمیان گذرتے ہوئے ہاتھ پھیرتے ہیں

"غیل" کی روایت فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ کی گئی ہے۔ اصمعی نے اس کی روایت فتحہ کے ساتھ کی ہے وہ کہتا ہے کہ الغیل بفتح غین چشمہ کے معنی میں ہے اور اصمعی نے اس سے مراد وہ چشمہ لیا ہے جو ابوقبیس سے نکلا تھا۔ ابو عبیدہ نے اس کی روایت بکسر غین کی ہے اسکے نزدیک غیل اور سعد دونوں جھاڑیاں ہیں جو مکہ اور منیٰ کے مابین نشیب میں تھیں جہاں پانی جمع ہو جایا کرتا تھا۔ یہ بیان تورات کے بیان کے بالکل مطابق ہے۔ پیدائش ۲۲ب۔۱۳ میں ہے:

"اور ابرہام نے نگاہ کی اور اپنے پیچھے ایک مینڈھا دیکھا جس کے سینگ جھاڑی میں اٹکے ہوئے تھے۔ تب ابرہام نے جا کر اس مینڈھے کو پکڑا۔"

یہ بیان کسی طرح اس مقام پر چسپاں نہیں ہوتا۔ ان کے قربانگاہ ہونے کے مدعی یہود و نصاریٰ ہیں۔

بہرحال نابغہ نے یہاں خانہ کعبہ کا ذکر اس کے تمام خاص صفات کو پیش نظر رکھ کر کیا ہے۔ وہ بیت اللہ ہے، وہ لوگوں کے لیے دار الامن ہے۔ یہاں تک کہ چڑیاں بھی اس میں امان پاتی ہیں۔ پھر وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ غیل و سعد کے پاس ہے، ظاہر ہے کہ یہ تشریح محض تعریف کے قصد سے نہیں ہو سکتی کیونکہ خانہ کعبہ کی شہرت اس طرح کی تعریف سے بالکل مستغنی تھی، تمام لوگ اس کو جانتے پہچانتے تھے، پھر عرب شعرا کا یہ طریقہ بھی نہیں کہ وہ کسی چیز کی تعریف و توصیف ایسے خصوصیات و حالات کے ذکر سے کریں جن کو محل و مقام سے کوئی مناسبت نہیں۔ یہ موقع بیان عظمت شان کا ہے اس لئے یقیناً یہ اشارہ خانہ کعبہ کے سبب تقدیس کی طرف ہوگا۔ یعنی یہ خانہ کعبہ قربان گاہ ہے جو اس جھاڑی کے پاس ہے جس میں حضرت اسمٰعیلؑ کا فدیہ بننے والے مینڈھے کے سینگ اٹکے ہوئے تھے۔ گویا ذبح کے سلسلہ میں تورات میں جو کچھ بیان ہوا ہے نابغہ کے شعروں میں اس کی طرف ایک لطیف تلمیح ہے۔

امیہ بن صلت نے واقعہ ذبح کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور ایسے قراین و تصریحات کے ساتھ جن کا تعلق صرف حضرت اسمٰعیلؑ سے ہو سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے

ولابراھیم الموفی بالنذر احتسابا وحامل الاجزال

اور ابراہیم کیلئے جو اسی نذر کو پوری کرنیوالے اور سوختنی قربانی کیلئے ایندھن لے جانیوالے تھے

بکرہ لم یکن لیصبر عنہ او یراہ فی معشر اقتال

اپنے پہلوٹے کی نذر جس کے فراق کو برداشت نہ کر سکتے تھے اور نہ اس کو دشمنوں کے اندر دیکھ سکتے تھے

ابنی انی نذرتک للہ شحیطا فاصبر فدی لک حالی

اے بیٹے میں نے تجھے خدا کیلئے خون میں سوختنی قربانی کی نذر مانا ہے تو ثابت قدم رہنا میری جان تم پر قربان

واشدد الصفد لا احید عن السکین حید الاسیر ذی الاغلال

ہاتھ پاؤں باندھ دیجئے میں چھری سے بھاگوں گا نہیں، بندھے ہوئے قیدی کی طرح

ولہ مدیۃ تخایل فی اللحم ھذام حنیۃ کالھلال

اور اس کے ہاتھ میں چھری تھی، گوشت کے اندر تیزی کے ساتھ چلنے والی تیز، ہلال کے مانند ٹیڑھی۔

بینما یخلع السرابیل عنہ فکہ ربہ بکبش جلال

ابھی وہ اس کا قمیص اتار رہا تھا کہ خدا نے ایک کرمل مینڈھا کا فدیہ دیکر اس کو چھڑا لیا

فخذن ذا وارسل ابنک انی للذی قد فعلتما غیر قال

اس کو لو اپنے بیٹے کو چھوڑ دو، میں تم دونوں کے فعل سے راضی ہوا۔

والد یتقی واخر مولود فطارا منہ بسمع فعال

خدا ترس باپ اور جانباز بیٹا، دونوں اس سے حسن شہرت کے آسمان پر پہنچے۔

ربما تجزع النفوس من الامر لہ فرجۃ کحل العقال

بعض اوقات لوگ بعض مشکلات سے گھبراتے ہیں، حالانکہ بندھن کی طرح اس کی گرہ کھل جاتی ہے۔

اس نے تصریح کی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے پہلوٹھے بیٹے کو قربان کیا اور پہلوٹھے بالاتفاق فریقین حضرت اسمٰعیلؑ ہیں۔ نیز اس امر کی بھی تصریح کی ہے کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے نذر تھے اور یہی قرآن مجید سے بھی مفہوم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی نکلتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم نہیں دیا تھا، جیسا کہ قسط اول اور قسط ثانی میں گذر چکا ہے۔

خاتمہ

ایک اجمالی مگر جامع نظر

۴۰۔ اکثر حقائق کا یہ حال ہے کہ ان کے آگے پیچھے باطل کا ایسا غبار اٹھا دیا گیا ہے کہ ایک طالب حقیقت کو اصل حقیقت تک پہنچنے کے لئے تمام دفتر معقول و منقول کی پوری دقت نظر کے ساتھ چھان بین کرنی پڑتی ہے اور یہ ایک ایسا کام ہے جو بعض حالتوں میں ہمتوں کو پست اور اصل معاملہ کو اور زیادہ پیچیدہ اور مشتبہ بنا دیتا ہے۔ میں اس فصل میں ایک ایسی راہ کھولنا چاہتا ہوں جو اصل مقصد تک بغیر کسی مشقت و صعوبت کے پہنچاتی ہو۔ یہ طریقہ میرے نزدیک اس قسم میں داخل ہے جس کو میں اوپر جوامع الادلۃ کے نام سے ذکر کرتا ہوں اور جس کی کسی قدر تفصیل فصل ۳ میں بیان ہوئی ہے۔ یہاں میں اس کو مختصراً ایک ایسے جامع طریق کی صورت میں پیش کرنا چاہتا ہوں جو تورات اور قرآن کے بیانات کو یکجا کردے۔

یہ معلوم ہے کہ تورات اور قرآن مجید میں بعض امور تو یکساں تفصیل و توضیح کے ساتھ بیان ہوتے ہیں اور بعض واقعات میں ایسا ہوا ہو کہ تورات میں واقعہ کے جو حصے بیان نہیں ہوئے ہیں قرآن نے ان کو بیان کر دیا ہے۔ اس واقعہ میں بالکل یہی صورت ہے۔ قرآن نے واقعہ کے ان حصوں کو کھول دیا ہے جو تورات میں موجود نہیں ہیں پس اگر تم دونوں کی بیان کی ہوئی تفصیلات کو یکجا کر دو .... تو اصل حقیقت پوری تفصیل و وضاحت کے ساتھ تمہارے سامنے آجائے گی۔

پہلے تورات کو لو۔ اس میں تم پاتے ہو کہ قربانی اکلوتے بیٹے کی ہوئی۔ نیز یہ کہ حضرت ابراہیمؑ

نے مذبح بنایا۔ بیت ایل کے شرق میں سکونت اختیار کی، اور ایک مقدس مقام میں جو اللہ نے ان کو دکھایا، اپنے بیٹے کی قربانی کی۔ یہ باتیں تورات میں وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہیں، لیکن تورات سے اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت ابراہیمؑ کا قیام کہاں تھا؟ یہ بیت ایل کہاں واقع تھا؟ اور نہ ان کے بیت ایل کے پاس کسی ذریت کو دینی خدمت کے غرض سے بسانے کا کوئی ذکر ہے۔

ان امور کی پوری تفصیل قرآن مجید نے فرمائی ہے۔ اس میں ہم کو ملتا ہے کہ ان تمام کاموں میں حضرت اسمٰعیلؑ اپنے باپ کے شریک و سہیم رہے۔ پھر تورات یا قرآن کسی سے بھی اس امر کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ حضرت اسحٰقؑ کنعان سے اس معبد کے پاس آئے ہوں۔ پس ان تمام امور کو سامنے رکھکر اگر غور کروگے تو یہ بات تم پر پوری طرح واضح ہو جائے گی کہ ذبیح صرف حضرت اسمٰعیلؑ ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ حضرت اسحٰقؑ کی ولادت سے پہلے اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے وہی تھے۔ وہی بیت اللہ کی خدمت کے لئے نذر کئے گئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ	اور ہم نے ابراہیم و اسمٰعیل کو یہ خدمت سونپی
أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ	کہ میرے گھر کو طواف کرنیوالوں اور رکوع
وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ	سجدہ کرنیوالوں کیلئے پاک رکھو۔

اور اسحٰق باہر کنعان میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہیں ان کو برکت دی، وہیں ان کی اولاد مصر میں داخل ہوئی اور پھر وہ تمام واقعات پیش آئے جنکی تفصیل صحائف میں مذکور ہے۔

یہ تمام تفصیل جو ہم نے پیش کی ہے ان لوگوں کیلئے بالکل واضح ہے جنکو عقل و بصیرت کی روشنی ملی ہے۔ ابو عمرو بن علاء اصمعی سے جو کچھ کہا اور جس کی تفصیل فصل ۳ میں گذر چکی ہے وہ بھی بالکل اس کے مطابق ہے۔

هذا ۔ وفيه كفاية لمن يفرق بين السقيم والسليم والله تعالى يهدي من يشاء الى صراط مستقيم ۔ والحمد لله رب العالمين والصلوة على نبيه سيدنا محمد وآله وصحبه اجمعين ۔

وَالعَادِيَاتِ ضَبْحًا

(قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے دوڑتے ہیں)

از جناب مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی

سورہ عادیات کی تلاوت کے وقت ہر طالب قرآن کے ذہن میں اس کی قسم کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہوگا کہ اس سے کیا مراد ہے؟ آج ہم اسی سوال کو حل کرنے کی کوشش کرینگے۔

اس باب میں سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ والعادیات کا موصوف کیا ہے؟ مناسب ہوگا کہ اس سوال کا جو جواب ہمارے مفسرین کرام نے دیا ہے، پہلے اسے پیش کر دیا جائے۔

مفسرین اس کے بارے میں دو جواب دیتے ہیں۔

۱۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ العادیات خیل "گھوڑوں" کی صفت ہے۔

۲۔ دوسری جماعت کا یہ خیال ہے کہ العادیات کا موصوف ابل "اونٹیاں" ہیں۔

ان دونوں قولوں میں پہلا قول اہل علم کے نزدیک زیادہ مشہور و مستند ہے، اور اس میں شک نہیں کہ اس کی تائید لغت، کلام عرب، اور سیاق و سباق سے بھی ہوتی ہے اور دوسرے قول کی تائید کسی نہج سے بھی نہیں ہوتی، زیادہ سے زیادہ یہ کہ بعض عرب شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ عدو (تیز دوڑنا) کی نسبت اونٹوں کی جانب بھی ہوتی ہے، لیکن لفظ ضبح سے متعلق تو ایک عرب شہادت بھی دیوان عرب میں ایسی نہیں ملتی جس سے اس کے اونٹوں کی جانب انتساب کی تائید ہوتی ہو۔ پس ہمارے نزدیک بھی قابل ترجیح پہلا ہی

قول ہے اور اس کی چند موٹی موٹی وجہیں یہ ہیں۔

۱۔ عدو (تیز دوڑنا) اور ضبح (ہانپنا) کا استعمال خیل ہی کے لئے متداول ہے۔

علامہ ابن جریر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں مذکورہ بالا قولوں کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

واولی القولین فی ذالک عندی	میرے نزدیک ان دونوں قولوں میں مرجح
بالصواب قول من قال عنی بالعادیات	قول انہیں لوگوں کا ہے جو العادیات سے
الخیل وذالک ان الابل لا تضبح	خیل مراد لیتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ضبح گھوڑوں
وانما تضبح الخیل	ہی کے لئے مخصوص ہے اونٹوں میں یہ صفت نہیں

چونکہ یہ بہت مشہور بات تھی اس لئے امام ابن جریرؒ نے اس کی تائید میں کوئی شہادت پیش کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، مزید اطمینان کے لئے ہم چند شواہد پیش کرتے ہیں۔

امراء القیس اپنے گھوڑے کی تعریف میں بیان کرتا ہے۔

وتعدو کعدو نجاۃ الظبا اخطاھا الحاذق المقتدر

اور وہ ان ہرنوں کی سی چھلانگیں مارتا ہے جو نہایت ہی ماہر شکاری کے تیر سے بچ گئے ہوں۔

خنسا کا ایک مشہور شعر ہے

یعدو بہ سابح نھد مراکلہ اذا اکتسی من سواد اللیل جلبابا

بھی اندھیری رات ہے کہ ایک تیز رفتار اور قوی ہیکل گھوڑا ممدوح کو لیکر دوڑتا ہے

ایک حماسی کہتا ہے

خیلا کامثال السعالی شزبا تعدو ببیض فی الکریھۃ شوس

ایسے چھریرے بدن کے گھوڑے جو تیز رفتاری میں چڑیلوں کے کان کاٹتے ہیں، ایسے شریف بہادروں کو لیکر دوڑتے ہیں جو میدان جنگ میں بالکل بے خوف ہیں۔

ایک اور شعر ملاحظہ ہو۔

ولوان حیافانت الموت فاته   اخوالحرب فوق القارح العدوان

اگر کوئی متنفس موت کے چنگل سے بچ سکتا ہے تو ایک جنگجو سوار برق رفتار اور اصیل گھوڑے کے ذریعہ بدرجہ اولیٰ بچ سکتا ہے۔

عنترہ کا ایک شعر ہے جس میں گھوڑوں کے لئے "ضبح" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

والخیل تعلم حین تضبح   فی حیاض الموت ضبحا

شاہد ہیں گھوڑے جبکہ موت کے حوض (سخت جنگ) میں ہانپتے ہوتے ہیں۔

اپنے اس دعوی کی تائید میں کہ لفظ عدو کی نسبت خیل کی طرف مشہور ہے اور ضبح خیل ہی کے لئے مخصوص ہے۔ کلام عرب سے ہم بیشمار شواہد پیش کر سکتے ہیں مگر چونکہ یہ امر کچھ زیادہ دلیل طلب نہیں اس لئے مزید طول دینا کچھ موزوں نہ ہوگا۔

۲۔ سیاق وسباق کا بھی اقتضا ہے کہ العادیات کا موصوف خیل ہی ہو۔

علامہ ابن قیمؒ اپنی کتاب "التبیان فی اقسام القرآن" میں فرماتے ہیں۔

قال الجرجانی کلا القولین	جرجانی فرماتے ہیں یہ دونوں قول (خیل، ابل)
قد جاء فی التفسیر الا ان	تفسیر میں مذکور ہیں لیکن سیاق وسباق کا تقاضا
السیاق یدل علی انها الخیل	ہے کہ العادیات سے خیل ہی مراد ہوں خصوصاً
وهو قوله فالموریات قدحا	آیت "فالموریات قدحا" تو اس باب میں حجت تامہ
والایراء لایکون الا للحافر	ہے اس لئے کہ ایرا (چنگاری نکالنا) گھوڑوں
اصلابته واما الخف ففیه	کی سم کے لئے مخصوص ہے اونٹ کے پاؤں تو
لین واسترخاء	نرم اور ملائم ہوتے ہیں۔

العادیات کا موصوف خیل ہونے کی ایک قوی دلیل یہ بھی ہے کہ اس کے مابعد کی منقول

کا عطف ف کے ساتھ ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ صفات کا عطف ف کے ساتھ ہونے کی صورت میں جملہ صفتیں ایک ہی موصوف سے متعلق ہوں گی، اور ان تمام صفات کو اگر ایک ہی موصوف کے لئے جمع کرنے کی کوشش کیجائے تو صرف خیل کے ساتھ یہ جمع ہو سکتی ہیں، باقی کسی اور موصوف کے ساتھ یہ جمع نہیں ہوتیں۔

یہاں تک ہم نے والعادیات کے موصوف کی تعیین میں لغت، کلام عرب اور سیاق وسباق سے کام لیا ہو لیکن جب تک قسم اور مقسم علیہ میں کوئی واضح مناسبت معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک ہمارا دعوی ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اب ہم قسم اور مقسم علیہ کی مناسبت کی توضیح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

پہلے سورہ کے مضمون کو ذہن میں رکھنا چاہئے۔ فرمایا ہے۔

وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا ۝ فَالْمُورِيَاتِ	گواہی دیتے ہیں وہ جو ہانپتے دوڑتے ہیں، پھر
قَدْحًا ۝ فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا ۝ فَأَثَرْنَ	ٹھوکروں سے چنگاریاں نکالتے ہیں، پھر صبح کو
بِهِ نَقْعًا ۝ فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا ۝	دھاوا کرتے ہیں، پھر غبار اٹھاتے ہیں، پھر غول میں
إِنَّ الْإِنسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ۝ وَإِنَّهُ	گھس جاتے ہیں۔ یہ کہ آدمی اپنے خداوند کا ناشکرا
عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ ۝ وَإِنَّهُ لِحُبِّ	شکر نہیں کرتا اور وہ اس کو خوب دیکھتا ہے، اور
الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ۝ أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ	یہ کہ مال کی بڑی محبت رکھتا ہے۔ تو کیا وہ نہیں
مَا فِي الْقُبُورِ ۝ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۝	جانتا جب قبریں اگلوائی جائیں گی اور دلوں
إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ۝	کی باتیں نکلوائی جائیں گی کہ اس دن ان کا

دیکھئے ان آیات میں کتنی وضاحت سے گھوڑوں کی طاعت و فرمانبرداری اور معرکہ جدال وقتال میں ان کی جان بازی، غبار انگیزی، صف شکنی گواہی میں پیش کرکے، انسان کی ناشکری کا

ذکر کیا ہے کہ بدبخت انسان اپنے خالق و پروردگار کا ویسا شکر گذار بھی وفادار نہیں ہے جیسے کہ گھوڑے ہیں۔ یہ وفادار اور جان باز گھوڑے اپنی پیٹھوں پر سوار کرا کے آبادیوں پر چھاپے مارتے ہیں اور جو کچھ مال و دولت ہاتھ لگتا ہے وہ تمام تر اپنے آقاؤں کے لئے چھوڑ دیتے ہیں اور اسی کو اپنا مقصد زندگی سمجھتے ہیں لیکن انسان کا یہ حال نہیں ہے وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ہزار طرح کی نعمتیں پا کر ان کی محبت میں مستغرق ہے۔ اگر اس سارے خزانۂ عیش میں سے ایک حبہ بھی اس کو اپنے پروردگار کی راہ میں قربان کرنا پڑے تو وہ مخالفت کرتا ہے۔ اگر واجب حقوق کی ادائگی کا بھی اس سے مطالبہ کیا جائے تو وہ مجبوں چڑھاتا ہے، اگر ایک شب کا عیش بھی اس کو تلخ کرنا پڑے تو وہ آزردہ ہوتا ہے، وہ اتنا بھی نہیں دیکھتا کہ جس طرح اس کی ران کے نیچے ایک مرکب ہے جس کی زندگی اور موت تمام تر اس کے لئے ہے اور فدویت وجاں نثاری کا وہ مجسمہ ہر مورچہ پر اس کی مرضی کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے کے لئے سینہ سپر ہے اسی طرح وہ بھی کسی کے زیر فرمان ہے اور اس کا فرض ہے کہ وہ اس کی مرضیات کی راہ میں ہر صبح و شام سرگرم کار رہے۔ حالانکہ حق تھا کہ ان بے زبان جانوروں سے وہ سبق لیتا اور جس طرح ان کی باگ ان کے آقاؤں کے ہاتھ میں ہے اور وہ ان کے اشاروں پر پھرکی کی طرح ناچتے ہیں اسی طرح اس کی باگ بھی اس کے پروردگار کے ہاتھ میں رہے اور وہ کبھی بھی اس کے حکموں سے سرتابی نہ کرے۔ ان وفادار چوپایوں کی وفاشعاری اور جاں بازی کو مثال قرار دیکر جس طرح یہاں انسان سے شکر گذاری کا مطالبہ کیا ہے اور اس کی ناشکری پر ملامت کی ہے اسی طرح سورہ زخرف میں بھی ان دونوں باتوں کو بیان فرمایا ہے۔

وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا	اور جس نے ہر قسم کی چیزیں پیدا کی ہیں اور
وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ	تمہارے لئے کشتیاں اور چوپائے بنائے ہیں
مَا تَرْكَبُونَ لِتَسْتَوُوا عَلَىٰ ظُهُورِهِ	جن پر تم سوار ہوتے ہو کہ تم ان کی پیٹھ پر اچھی
ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ	طرح اطمینان سے بیٹھ جاؤ پھر جب اطمینان سے
عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَانَ الَّذِي	ان پر بیٹھ جاؤ تو اپنے پروردگار کا احسان یاد
سَخَّرَ لَنَا هَٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ	کرو اور اس کا شکریہ ادا کرو کہ پاک ہے وہ ذات
وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنقَلِبُونَ وَجَعَلُوا	جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا
لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا إِنَّ الْإِنسَانَ	اور ہم ان کو قابو میں کر لینے والے نہ تھے
لَكَفُورٌ مُّبِينٌ	اور ہم کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔
	اور اس کے لئے اس کے بندوں میں سے [illegible]

ہر چند کہ اس آیت میں موقع کے اقتضا سے بعض اور پہلو بھی شکر گذاری کے آ گئے ہیں لیکن سورہ عادیات میں جو پہلو پیش کیا گیا ہے وہ بھی اس میں موجود ہے۔ اسی طرح سورہ نحل میں بھی انسان کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

خَلَقَ الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ	اس نے انسان کو صاف شفاف پانی کی بوند
فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ وَالْأَنْعَامَ	سے پیدا کیا پس وہ کھلم کھلا سرکشی پر آمادہ ہو گیا
خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ	اور اسی نے چوپایوں کو پیدا کیا جن میں تمہارے
وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ	لئے سامان سرما اور بیشمار فوائد ہیں اور ان
حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ	میں سے بعض کو تم کھاتے ہو اور جب شام
وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا	کے وقت گھر واپس لاتے ہو اور جب صبح کو

بَالِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ	چرانے لیجاتے ہو تو ان میں تمھارے لئے
رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ وَالْخَيْلَ وَ	زینت ہے اور جن شہروں تک تم بے مشقت
الْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً	کے نہیں پہنچ سکتے چارپائے وہاں تک تمھارے
وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ	لئے بوجھ لیجاتے ہیں۔ بیشک تمھارا پروردگار
. . . .	شفقت والا اور مہربان ہے اور اسی نے
. . . .	گھوڑوں اور خچروں اور گدہوں کو پیدا کیا
. . . .	تاکہ تم ان سے سواری کا کام لو اور تاکہ وہ تمھاری
. . . .	زینت ہوں اور وہی ان اشیاء کو بھی بناتا ہے
(۴-۸ نحل)	جنھیں تم نہیں جانتے۔

ان آیات پر اگر غور کیجئے تو یہ بھی سورہ عادیات کی آیات سے ایک گہری مناسبت رکھتی ہیں۔ سورہ عادیات میں انسان کی سرکشی اور ناشکری ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ "ان الانسان لربہ لکنود وانہ علی ذالک لشہید وانہ لحب الخیر لشدید" اور یہاں اس کے استکبار و شرانگیزی کا ذکر اس طرح ہوا ہے "خلق الانسان من نطفۃ فاذا ھو خصیم مبین" وہاں گھوڑوں کو مع ان کے مخصوص اوصاف کے باسلوب قسم ان الفاظ میں ذکر کیا" والعادیات ضبحا فالموریات قدحا فالمغیرات صبحا فاثرن بہ نقعا فوسطن بہ جمعا" اور یہاں عموم کا پہلو لئے ہوئے گھوڑے اور دیگر حیوانات کی تسخیر و اطاعت ان الفاظ میں بیان فرمائی والانعام خلقھا لکم فیھا دفء ومنافع ومنھا تاکلون ولکم فیھا جمال حین تریحون وحین تسرحون وتحمل اثقالکم الی بلد لم تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس

ان ربکم لرؤف رحیم والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ ویخلق مالا تعلمون۔ پس ان دونوں مقاموں کی آیات میں فرق محض عموم و خصوص کا ہوگا۔ اور موقع و محل کے اقتضاء سے ایسا ہونا ناگزیر تھا۔

اب اگر ان تمام آیات کی روشنی میں قسم اور مقسم علیہ کی مناسبت پر غور کیا جائے تو نتیجہ تک پہنچنا کچھ مشکل نہ ہوگا مگر یہاں معاملہ کے ایک خاص پہلو کو واضح کرنے کے لئے ایک مختصر تمہید ضروری ہے جو انشاء اللہ اصل بحث کی توضیح میں معین ہوگی۔

اس دنیا میں جتنی چیزیں اللہ تعالی نے بنائی ہیں سب کے ساتھ کچھ فرائض لگا دیئے ہیں اور یہ تمام چیزیں چونکہ ارادہ و اختیار سے محروم ہیں اس لئے بغیر کسی انحراف و اعراض کے اپنے اپنے فرائض میں سرگرم ہیں، سورج اپنے مرکز پر گردش کرتا ہے، چاند اپنے محور پر چکر کرتا ہے، ستارے اپنے وقت پر طلوع ہوتے ہیں، موسم اپنے بندھے ٹکے نظام کے مطابق بدلتے ہیں۔ مینہ برستا ہے، پھول کھلتے ہیں، فصلیں پکتی ہیں۔ اور یہ سب کچھ ایسی باقاعدگی اور درستگی کے ساتھ ہوتا ہے کہ کبھی اس میں فرق نہیں پڑتا۔ ان تمام اشیائے کائنات کا اپنے اپنے فرائض میں منہمک رہنا اور کبھی ان سے غفلت نہ کرنا ان کی عبادت و بندگی اور ان کا تسبیح و سجدہ ہے۔ انگور کی ٹٹی سال میں جب پھل دیکر سبکدوش ہو جاتی ہے تو گویا وہ اپنے خالق کے مقرر کئے ہوئے فریضہ کی ادائگی سے سبکدوش ہو گئی ہے۔ اور اپنے رب کے حضور اپنی ثمربار شاخوں کے سجدے پیش کرکے اپنی عبادت سے فارغ ہو گئی۔ پس اس طرح گویا یہ ساری کائنات اپنے طرز عمل سے انسان کو شکر گذاری اور اطاعت خالق کا درس دے رہی ہے لیکن انسان چونکہ ارادہ و اختیار کی نعمت سے سرفراز ہے، اس لئے اکڑتا ہے۔ اسی حقیقت کی بنا پر اللہ تعالی نے

جا بجا کائنات کی سرفگندگی اور طاعت کا نمونہ انسان کے سامنے پیش کیا ہے تاکہ وہ اس سے سبق حاصل کرے۔ مثلاً سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ	ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں
الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ	ہیں سب کے سب اسی کی تسبیح کرتے ہیں
مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ	اور جتنی چیزیں ہیں سب اسکی حمد کے ساتھ اسکی
لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ	تسبیح کر رہی ہیں مگر تم انکی تسبیح نہیں سمجھتے
حَلِيْمًا غَفُوْرًا	بیشک وہ بڑا تحمل والا اور بخشنے والا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر یوں ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ	اور اسی نے رات اور دن اور سورج اور چاند
وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِهٖ	تمھارے کام میں لگایا ہے اور ستارے بھی اس کے
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ	حکم سے کام میں لگے ہیں بیشک ان چیزوں
يَّعْقِلُوْنَ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ	میں عقل والوں کے لئے شہادتیں ہیں اور
مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	جو چیزیں تمھارے لئے پیدا کی ہے ان کے رنگ
لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ وَهُوَ	مختلف ہیں ان میں ان لوگوں کیلئے جو
الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ	تذکر کے لئے آمادہ ہیں بڑی دلیل ہے اور
لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً	اسی نے دریا تمھارے لئے مسخر کر دیا ہے تاکہ
تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ	تم ان سے مچھلیوں کا تازہ گوشت کھاؤ اور
مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ	اس سے زیور نکالو جن کو تم پہنتے ہو اور تم
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۲-۲۰ نحل)	دیکھتے ہو کہ کشتیاں پانی کو چاڑتی ہوئی رواں ہیں [illegible]

ایک اور جگہ یوں مذکور ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ	کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اسی کیلئے سجدہ کرتے
فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ	ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج
وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَ	اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور
الْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ	چارپائے خدا کے آگے سرنگوں ہیں اور بہت
وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ	سے آدمی، اور بہت سے ہیں جن پر عذاب
حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ	لازم ہو چکا ہے اور جس کو خدا ذلیل کردے
يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ	تو پھر اسے عزت دینے والا کوئی بھی نہیں
اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (۱۰ حج)	خدا جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔

سورہ نور میں ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ	اور تم نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ جتنی
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ	مخلوقات آسمان اور زمین میں ہیں خدا کی
صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ	تسبیح کرتی ہیں اور پرند پر پھیلائے، سب کو
وَتَسْبِيْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا	اپنی نماز اور اپنی تسبیح معلوم ہے اور خداوند
يَفْعَلُوْنَ (۴۱ - نور)	ان کے اعمال سے اچھی طرح واقف ہے۔

سورہ رحمٰن میں ہے۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ	سورج اور چاند ایک نظام سے گردش میں ہیں
وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ	اور ستارے اور درخت خدا کے آگے سربسجود ہیں

ان آیات میں آسمان، زمین، سورج، چاند، کواکب، جبال، شجر، دواب اور

دیگر موجودات کی طرف تسبیح، حمد، سجود، صلوٰۃ کی نسبت کی ہے اور پھر انھیں چیزوں کو اس سے زیادہ عمومیت کے ساتھ سورہ نحل میں لفظ تسخیر سے تعبیر کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ کائنات کی مشین کا خدا کی مشیت کے مطابق چلنا یہی اس کی تسبیح، حمد، سجدہ اور نماز ہے با لفاظ دیگر جملہ چیزوں کا اپنے اپنے فرائض میں لگا رہنا یہی ان کی طاعت و عبادت ہے اور ان سے انحراف ظلم و عدوان ہے۔

بس ضرور ہے کہ وہ انسان جس کی چاکری کے لئے اتنا عظیم الشان کارخانہ ہمہ اوقات دوان ہے اس کی زندگی کا بھی کوئی عظیم الشان مقصود ہو۔ نہیں ہو سکتا کہ خالق کائنات نے اس کو محض اس لئے پیدا کیا ہو کہ وہ مخلوقات کی کمائی سے لطف اندوز ہو اور خود ہر طرح کی ذمہ داری سے سبکدوش اور غیر مسئول ہو۔ ہماری عقل اور فطرت اسکو ایک لمحہ کے لئے بھی باور نہیں کر سکتی۔ ضرور ہے کہ جس طرح جملہ مخلوقات حسب امر الٰہی انسان کی ضروریات کے لئے وقف ہیں اور وہ انسان پر قربان ہونے ہی میں اپنے مولیٰ کی رضامندی سمجھتی ہیں اسی طرح بلکہ اس سے کہیں بڑھکر انسان کا فریضہ ہے کہ وہ منعم حقیقی کی راہ میں قربانی دے، اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو فرض شناسی میں جوہر ادراک کے باوجود وہ جملہ موجودات سے پیچھے ہوگا۔

اس تمہید کو پیش نظر رکھ کر اب قسم اور مقسم علیہ کی مناسبت پر غور کیجے، اس میں تو شک نہیں کہ عرب قوم ایک بہادر قوم تھی، اس کے ایک ایک فرد کی زندگی کا بیشتر حصہ میدان جنگ میں بسر ہوتا تھا، جنگجوئی ان کے یہاں شرف و عظمت کا معیار تھی۔ بہادر ہونے کی وجہ سے قدرتی طور پر گھوڑے ان کے لئے لازمہ حیات تھے اور اسی وجہ سے ان کے یہاں گھوڑوں کی محبوبیت کا یہ عالم تھا کہ ان کے نسب نامے تک محفوظ رکھے جاتے۔

اور گھوڑوں کی مدح و توصیف کا یہ عالم تھا کہ کہنا چاہیے کہ گویا عربی شاعری کا اصلی مضمون یہی تھا۔ جو لوگ عربی شاعری اور عربی مذاق سے واقف ہیں ان کے لئے اس کے ثبوت کی ضرورت نہیں ہم محض بر سبیل ذکر چند شعر پیش کرتے ہیں جو بر وقت حافظہ میں محفوظ ہیں۔

امرء القیس اپنے گھوڑے کی محبوبیت بیان کرتا ہے جو یقیناً اس کی وفا شعاری اور خوش سلیقگی اور جانبازی کا نتیجہ ہے۔

حبیب الی الاصحاب غیر ملعن　　　یفدونه بالامهات وبالاب

دوستوں کی نظروں میں وہ کھبا ہوا ہے لوگ اس پر ماں باپ سے فدا ہوتے ہیں۔

ایک حماسی کہتا ہے۔

وفی فرس نهد عتیق جعلته　　　حجابا لبیتی ثم اخدمته عبدا

اور ایک بے اصیل اور گٹھے ہوئے گھوڑے کی خرید میں قرض کے روپے صرف کرتا ہوں جو دوزرہ کا پردہ ہو پھر اس کے لئے [illegible]

امرء القیس میدان جنگ میں اپنے گھوڑے کی کمال اطاعت کا نقشہ یوں کھینچتا ہے۔

مکرٍ مفرٍ مقبلٍ مدبرٍ معاً　　　کتیس ظباء الحلب العدوان

زور میں بے دھڑک گھس جانیوالا پیچھے ہٹ جانیوالا اور ساتھ ہی موقع پر آگے بڑھنے والا اور پیچھے پھر جانیوالا تیز رفتاری، پھریرے پن اور نشاط میں حلب کھانیوالے ہرن کے مانند ہے۔

ایک حماسی کہتا ہے۔

فلقد ارانی للرماح دریئة　　　من عن یمینی مرة وامامی

حتی خضبت بما تحدر من دمی　　　اکناف سرجی او عنان لجامی

پھر میں دائیں اور آگے سے نیزوں کا ہدف بنتا رہا ہوں یہانتک کہ خون نے میری زین کے اطراف یا اپنی لگام کی باگ [illegible]

ایک دوسرا حماسی کہتا ہے۔

تلاقو اجیاداً لا تحید عن الوغی   اذا ما غدت فی المازق المتدانی

ایسے اصیل گھوڑوں سے سابقہ پڑیگا جو میدان جنگ سے ہٹنا نہیں جانتے خصوصاً جبکہ وہ گھمسان کے معرکہ میں ہوتے ہیں۔

میدان جنگ میں گھوڑوں کی وفاداری کے متعلق یہ عربوں کی شہادت ہے، قرآن نے بھی اسی جانی بوجھی اور مسلم چیز کو شہادت میں پیش کیا ہے۔ پس طریقہ استدلال یوں ہے کہ تیز رفتار، چنگاری نکالنے والے، صبح کو غارتگری کرنے والے، گرد و غبار اڑانے والے، رزم میں گھس جانے والے گھوڑے شاہد ہیں کہ وہ اپنے فرض کی ادائگی اور اپنے آقاؤں کی خدمت میں نہایت چاق و چوبند ہیں یعنی کائنات کے خالق نے جس مقصد کے لئے انھیں پیدا کیا ہے، اس کے لئے وہ ہمیشہ رواں دواں رہتے ہیں اور یہی ان سے مطلوب ہے۔ پس گویا گھوڑوں کی جد و جہد کو ان کی کمال اطاعت کی دلیل ٹھہرایا ہے اور انسان کی اپنی زندگی کے نصب العین کے لئے جد و جہد نہ کرنے کو خدا کی بغاوت کے مرادف قرار دیا ہے، جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ وہ کل خدا کی عدالت میں پکڑا جائے۔

انسان کی غفلت و ناشکری کا ذکر قریب قریب اسی اسلوب کے ساتھ سورہ نحل میں ہوا ہے۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ	اور خدا ہی نے تم کو تمھاری ماؤں کے پیٹ سے
اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا	نکالا اور ان کا لیکن تمھیں کچھ بھی علم نہ تھا اور تم کو کان
وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ	دیا اور آنکھیں اور دل دیئے تاکہ تم شکر کرو کیا
وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ	لوگوں نے پرندوں کے حال پر غور نہیں کیا
اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ	جو آسمان کی فضا میں گھرے ہوئے ہیں ان کو
فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ	خدا ہی سنبھالتا ہے بیشک اس میں ایمان لانے

اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ	کے لئے بڑی شہادتیں ہیں اور خدا ہی نے
لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ وَاللّٰهُ جَعَلَ	تمھارے گھروں کو رہنا بنایا اور چوپایوں کی
لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ	کھالوں سے تمھارے لئے گھر بنائے کہ تم ان
لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا	کو کوچ کے وقت اور اپنے ٹھہرنے کے وقت
تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ	ان کو ہلکا پاتے ہو اور چارپایوں کی اون اور
اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَ	ان کے روؤں اور ان کے بالوں سے
اَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا	بہت سے سامان اور بہت سی کار آمد چیزیں
وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ وَاللّٰهُ جَعَلَ	بنائیں ایک وقت خاص تک، اور خدا ہی نے
لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ	اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کے سائے بنائے
مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ	اور پہاڑوں میں تمھارے لئے چھپ بیٹھنے کو
سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ	جگہ اور تمھارے لئے کرتے بنائے جو تم کو گرمی
تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ كَذٰلِكَ يُتِمُّ	سے بچائیں اور کرتے جو تم کو تمھاری زد سے
نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ	بچائیں یوں اپنی نعمتیں تم لوگوں پر پوری
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ	کرتا ہے تاکہ اس کے آگے نیاز مندانہ جھک جاؤ
الْمُبِيْنُ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ	اگر اس پر بھی وہ اعراض ہی کریں تو تمھارے
ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ	ذمہ تو کھلے طور پر پہنچا دینا ہی ہے، خدا کے احسانات
(۷۸ - ۸۳ نحل)	سے یہ خوب واقف ہیں مگر پھر بھی ان کا انکار کرتے ہیں

ان آیات پر غور کرنے سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انسان خالق کائنات کی جن نوازشوں کا مورد ہے ان سے کائنات کی جملہ چیزیں محروم ہیں۔ مثلاً انسانوں کو

خداوند تعالیٰ نے سمع و بصر اور دل بخشا ہے اور دوسری طرف ان کے لئے ایسے وسائل واسباب مہیا کر دیے ہیں جن سے انسان اپنی مادی زندگی کا انتظام بآسانی کر سکتا ہے، رزاق عالم کی یہ روحانی و مادی نوازشیں مقتضی ہیں کہ انسان ہر طرف سے کٹ کر اسی کے آستانہ پر جبہ سائی کرے، سب سے کنارہ کش ہو کر اسی سے رشتہ جوڑے، جو انسان اس فرض سے غافل ہے حقیقت میں اس کا باطن تاریک ہے اور اس کی آنکھیں بھی بند ہیں، اگر اس کی آنکھیں بند نہ ہوتیں تو فضا کی چڑیوں سے وہ سبق حاصل کر سکتا تھا اس لئے کہ فضا کی چڑیاں حسب ارشاد الٰہی "الم تر ان اللہ یسبح لہ من فی السموات والارض والطیر صافات کل قد علم صلاتہ وتسبیحہ" حمد الٰہی میں زمزمہ سنج ہیں اور غافل و سرمست انسانوں کو دعوت دے رہی ہیں کہ وہ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کی کبریائی و قدوسیت کی تسبیح پڑھے کہ یہی اس کی زندگی کا اصل مقصد ہے۔ الغرض جس طرح سورہ عادیات میں خطرات کے وقت گھوڑوں کی وفاداری اور اطاعت شعاری کو پیش کر کے غافل انسانوں کو شکر گذاری کی دعوت دی ہے۔ بعینہ یہاں بھی تسخیر کے ذکر سے ان کے اسی فطری جذبہ شکر کو بیدار کیا ہے۔

تفسیر سورۃ والتین

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ کی تفسیر سورہ والتین کا اردو ترجمہ ہے اس میں تین، زیتون، طور سینین اور بلد امین سے وجوہ استشہاد اور ان کی تحقیق کے متعلق مصنف نے جو کچھ لکھا ہے وہ تحقیق اور وسعت نظر کا اعجاز ہے۔ قیمت چھ آنے ۶/

منیجر

موعظۂ حسنہ

ہماری سب سے اہم ضرورت

از جناب مولوی ابو اللیث صاحب اصلاحی

جدید تمدن نے ہم پر جہاں اور اثر ڈالے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم نے اجتماعی ترقی کے میدان کو طے کرنا شروع کر دیا ہے اور تغیر و انقلاب کے ایک نہایت اہم دور سے گذر رہے ہیں، ایسی حالت میں چند چیزیں ہمارے لئے نہایت اہم اور ضروری ہیں جن اسباب و عوامل نے موجودہ تمدن کو پیدا کیا ہے ان میں سے اکثر ایسے ہیں جن کی ہمیں ضرورت ہے اور جن سے وہ قومیں کسی حال میں مستغنی نہیں ہو سکتیں جو ہماری حالت سے گذر رہی ہوں، مثلاً تعلیم کو ترقی دینا، اجتماعی حالت کی اصلاح کرنا، اقتصادی مشکلات کو رفع کرنا وغیرہ وغیرہ، لیکن عوامل ارتقاء میں سب سے زیادہ اہم ان اخلاقی خوبیوں کو اختیار کرنا ہے جن پر قوموں کے عروج و ارتقاء کا دارومدار ہے۔

اخلاق عالیہ قوموں کے عروج و ارتقاء کا اندازہ سب سے پہلے اخلاق سے کیا جاتا ہے، دنیا کی ہر قوم اخلاق کی بدولت، عروج و انحطاط، عزت و ذلت، اور سیادت و محکومی کے منازل طے کرتی ہے، عروج و انحطاط کا دارومدار تمام تر اخلاق کی بلندی و پستی پر ہے، نہ کہ علوم و فنون اور دولت و ثروت کی قلت و کثرت پر ہے۔ گذشتہ اور موجودہ قوموں کی تاریخ پڑھ جاؤ، تم دیکھو گے کہ وہی قومیں ترقی کرتی ہیں، جو

اعلیٰ اخلاق کی مالک ہوتی ہیں رومیوں نے جس وقت میدان ترقی میں قدم رکھا ہے، ان کے پاس علم وفن کا سرمایہ نہ تھا، دولت وثروت کی کثرت نہ تھی، نہایت جاہل وحشی اور تنگ حال تھے لیکن چونکہ ان میں حکومت وسیاست کے اخلاقی جوہر موجود تھے اس لئے تھوڑے ہی زمانہ کے اندر بحر متوسط کے ارد گرد کے تمام متمدن ممالک کو فتح کر لیا اور اپنی ایک نہایت زبردست حکومت قائم کر لی۔ جن قوموں کو رومیوں نے محکوم بنایا تھا، وہ مال ودولت میں ان سے کم نہیں تھیں اور نہ علوم وفنون میں ان کا درجہ ان سے فروتر تھا۔ بلکہ ان میں بعض قومیں تو ایسی تھیں جو علم وفلسفہ میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔ مثلاً یونان جو ہمیشہ سے علوم وفنون کا سرچشمہ رہا ہے اور جس کے باشندے فلسفہ وغیرہ میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ لیکن چونکہ ان کے اخلاق زنگ آلود ہو چکے تھے۔ اور وہ تمام صفتیں ان سے ایک ایک کر کے رخصت ہو چکی تھیں جن کے بغیر کوئی قوم دنیا میں عزت کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور اس کے برعکس ان کے حریف شجاعت، بسالت، استقلال، اتحاد اور دوسرے اوصاف کمال سے متصف تھے اس لئے یہ قومیں ان کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکیں۔

اسلام کے ابتدائی دور میں عرب اپنے بے آب وگیاہ جزیرہ سے آندھی کی طرح اٹھے اور تمام عالم پر چھا گئے۔ حالانکہ وہ اس وقت علم وفن سے بے بہرہ اور دولت وثروت سے بالکل محروم تھے ہاں ان میں ایک خصوصیت تھی اور وہ یہ کہ وہ مروت، فیاضی، ایثار، استقلال، عزم، بہادری، قربانی وغیرہ اوصاف کے مالک تھے۔ انہی اوصاف کی بنا پر انھوں نے ان رومیوں کو شکست دیدی جن کے آباء واجداد نے کسی زمانہ میں بڑی بڑی حکومتوں کا تختہ الٹ کر فاتحین کا لقب

حاصل کیا تھا، اور یہ اس حال میں ہوا جبکہ دولت، علم، فلسفہ، کثرت، جنگی سروسامان ہر لحاظ سے عربوں کا درجہ، رومیوں کے مقابلہ میں پست تھا، عربوں ہی پر جرمنوں کو بھی قیاس کر لو جنھوں نے شمال کی جانب سے روما کی عظیم الشان سلطنت پر حملہ کیا تھا۔ عربوں کی طرح جو جانب جنوب سے حملہ آور ہوئے تھے، یہ لوگ بھی وحشی اور غیر مہذب تھے، لیکن اس کے باوجود انھوں نے رومی حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اسے مٹا کر اپنی ان حکومتوں کی بنیاد رکھی جو اب تک باقی ہیں اور جو اس زمانہ میں یورپ کی ترقی یافتہ حکومتیں سمجھی جاتی ہیں۔ ان حکومتوں میں سب سے زیادہ وسیع اور طاقتور وہ حکومت ہے جو بعض اخلاقی خصوصیات میں سب پر فوقیت رکھتی ہے۔ یعنی انگریزوں کی حکومت۔ آج انگریز اپنی ان اخلاقی خصوصیات ہی کی بدولت ان بڑی بڑی قوموں پر حکومت کر رہے ہیں جو تعداد میں ان سے کہیں زیادہ ہیں اور ان میں بعض قومیں تو ایسی ہیں جو علم ودولت اور ذہانت وذکاوت میں بھی انگریزوں پر فوقیت رکھتی ہیں۔

ہر دور تمدن میں ایک خاص قسم کے اخلاق کارفرما ہوتے ہیں جنھیں اس زمانہ کے لوگ اپنے تمدن کی بنیاد سمجھکر نہایت عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے ہیں، یہ کچھ ضروری نہیں کہ ایک دور کے اخلاق دوسرے دور تمدن میں بھی یکساں ... قدر وقیمت اور اہمیت کے مستحق سمجھے جائیں، ان میں اکثر ...... ردوبدل ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً اسلامی تمدن کی بنیاد، مروت دلیری، حلم، سخاوت اور وفا پر قائم ہے لیکن ان اوصاف میں بعض ایسے ہیں جن کو موجودہ تمدن میں کوئی اہمیت حاصل نہیں

اور ان کی جگہ دوسرے اوصاف نے لے لی ہے۔ اس لئے ہم آج ان اخلاق و اوصاف سے بحث کرنا چاہتے ہیں جو موجودہ تمدن میں اہمیت رکھتے ہیں اور جن پر اس زمانہ میں افراد اور جماعتوں کی ترقی و اصلاح منحصر خیال کی جاتی ہے۔ اس قسم کے جملہ اخلاق دو بڑے خلق، صدق، اور ثبات، کے تابع ہیں۔ انہی دو سے ان کی شاخیں نکلتی ہیں، اس لئے آج ہم انہی دونوں اصلوں پر گفتگو کریں گے۔

۱۔ صدق

سچائی، تمام اخلاقی خوبیوں میں سردار کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ بہت سی بہترین خصائل اسی سے پیدا ہوتے ہیں، اسی لئے مشہور ہے کہ "اپنے بچوں کو سچائی سکھاؤ وہ خود انھیں دوسری نیکیاں سکھا دے گی"۔ اسی کے ہم معنی ایک حدیث نبوی بھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک آدمی آنحضرت (صلعم) کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لایا۔ اور عرض کیا "یا رسول اللہ میرے صرف ظاہری گناہوں کا مواخذہ ہوگا حالانکہ میں خفیہ طور پر چار بری باتوں کا ارتکاب کرتا ہوں۔ زنا، چوری، شراب نوشی، جھوٹ، آپ ان میں سے جسے فرمائیں میں چھوڑ دوں"۔ آپ نے فرمایا جھوٹ بولنا چھوڑ دو۔ وہ وہاں سے لوٹا تو ایک بار زنا کا ارادہ کیا لیکن معاً اسے خیال آیا رسول اللہ صلعم مجھ سے دریافت کریں گے، اگر میں انکار کروں گا تو یہ عہد کے خلاف ہوگا۔ اور اگر اقرار کر لوں گا تو مجھ پر حد جاری ہوگی"۔ اس لئے اس نے زنا کا ارادہ ترک کر دیا۔ پھر اس نے باری باری چوری اور شراب نوشی کا ارادہ کیا لیکن اسی خیال نے اسے ان دونوں فعلوں سے باز رکھا۔ کچھ دنوں بعد وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ خبر دی کہ میں تمام برائیوں سے باز آگیا"۔

غرض سچائی بہت سی صفات حمیدہ کی جامع ہے۔ اب ہم یہاں ان اخلاقی خوبیوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو صدق سے نکلتی ہیں۔ ان میں زیادہ اہم یہ ہیں۔ اخلاقی جرأت، غلطی کا اعتراف، امانت، وفا، احساس فرض، حقیقت پرستی، کام میں شتابی کرنا۔

اخلاقی جرأت اس صفت کا قوام جرأت اور صاف گوئی ہے۔ یعنی یہ کہ انسان بغیر کسی خوف اور پروا کے اپنی رائے کا اظہار کر دے۔ غالباً اس سے کسی کو انکار کی جرأت نہ ہوگی کہ اظہار رائے میں تمام قوموں سے زیادہ بودے ہم ہیں۔ ہم میں کون ایسا ہے جس کی رائے کسی مسئلہ میں دریافت کی جائے اور وہ مخاطب کی رعایت کئے بغیر صاف صاف اس کا اظہار کر دے؟ بڑے اور اہم مسائل کو تو چھوڑ دو، وہ روزمرہ کے مسائل جو اخبارات میں آتے رہتے ہیں ان کے متعلق بھی جب تم کسی کی رائے پڑھو گے تو ضرور اس میں رعایت اور پاسداری کی بو آئے گی۔ اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ بہت سے لوگ ایسے بھی ملتے ہیں جو ایک ہی مسئلہ کے متعلق دو متضاد رائیں رکھتے ہیں اور اپنی مصلحت کا لحاظ کرتے ہوئے دو مختلف حالات میں ان کا اظہار کرتے ہیں۔

اخلاقی جرأت میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جب تحریر یا تقریر کے ذریعہ عوام کی رہبری اور نصیحت کی خدمت انجام دی جائے تو صحیح اور ٹھیک باتوں کا ان کے جذبات و خیالات یا عادات و اطوار کا لحاظ کئے بغیر اظہار کر دیا جائے۔ ارشاد و نصیحت کے موقع پر اخلاص کا پابند رہنا بہت بڑی جوانمردی ہے۔ اس صفت کے بعد دوسرے اوصاف کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی۔ غور کرو ہمارے رہنماؤں میں بھی یہ صفت پائی جاتی ہے؟ کیا تمہارے دوستوں میں ایک شخص بھی ایسا ملے گا کہ تم کسی اہم معاملہ میں اس کا مشورہ طلب کرو اور یہ یقین رکھو کہ وہ رعایت و پاسداری کے بغیر اپنا مشورہ پیش کر دیگا؟

کیا تم دیکھتے نہیں کہ بہت سے لوگ محض لوگوں کی ناخوشی کے ڈر سے اپنی رائے ظاہر کرنے سے گریز کرتے ہیں اور مختلف قسم کے حیلے بہانے کرکے اپنا پیچھا چھوڑا لیتے ہیں۔ اور دبا او تو تھیں خوش کرنے کے لئے اپنی اصلی رائے کے خلاف رائے ظاہر کرتے ہیں۔ یہ خرابی ہمارے اندر اس لئے عام ہو گئی ہے کہ ہماری مشرقی تہذیب میں یہ کچھ ضروری سا سمجھ لیا گیا ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے ہمنشین کو ہر حال میں خوش رکھنا ضروری ہے۔ حالانکہ اگر ہم غور کریں تو اس کا فائدہ اور خوشی اسی میں ہے کہ ہم اپنی رائے صحیح ظاہر کر دیں۔ اگر بالفرض اس کے متعلق تمہارا خیال ایسا ہو جو اسے برا لگے تو ہمارا عذر واضح ہے۔ کہ ہم نے خلوص کی بنا پر جو حق سمجھا اس کا اظہار کر دیا۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ یہ ناخوشی زیادہ دیرپا نہیں ہوتی اور جب اسے رائے دینے والے کے خلوص کا یقین ہو جاتا ہے تو اسکا غم و غصہ، محبت اور خوشی سے بدل جاتا ہے۔ بہرحال ایک سچے انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی رائے اخلاص اور صفائی کے ساتھ پیش کر دے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو گویا وہ جھوٹ اس لئے نہیں بولتا کہ جھوٹ بولنے کی اسے خواہش ہے یا اس سے آسے کسی نفع کی توقع ہے بلکہ محض یہ شرم دامنگیر ہے کہ کہیں اس کی بات مخاطب کو ناگوار نہ گذرے حالانکہ یہ بہت بڑی بزدلی ہے۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی بڑے آدمی کے پاس اپنی درخواست لیکر جاتا ہے تو وہ بغیر سوچے سمجھے اس کا کام نکالدینے کا وعدہ کرتا ہے لیکن بعد کو اس کی ذمہ داری محسوس نہیں کرتا اور برابر اسے ٹالتا رہتا ہے یا تو اس لئے کہ وہ اس کی درخواست پوری کرنا نہیں چاہتا یا اس لئے کہ اس کی قدرت نہیں رکھتا۔ حالانکہ اگر وہ پہلے ہی صاف صاف جواب دیدیتا تو اس میں اس کا کوئی نقصان نہ تھا۔

اصل یہ ہے کہ یہ مرض ہم لوگوں میں پوری طرح جڑ پکڑ گیا ہے اور اس کا سبب محض اخلاقی جرأت کا فقدان ہے۔

غلطی کا اعتراف غلطی کا اعتراف ترقی اور علو کی بہت بڑی علامت ہے۔ یہ صفت انہی لوگوں میں پائی جاتی ہے جو صحیح معنوں میں اپنے اخلاق و کردار کے اعتبار سے بہت بلند پایہ ہوتے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ "غلطی کا اعتراف، صواب اور عجز کا اقرار، قوت ہے"۔ اس شخص سے زیادہ جھوٹا اور ذلیل کون ہو سکتا ہے جو اپنی غلطی کو پہچانتا ہے لیکن پھر بھی ہٹ دھرمی کرکے اس پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے، وہ اپنے نفس کو دھوکا دیتا ہے، اپنے دوستوں کو دھوکا دیتا ہے اور بے عیبی میں خدا کا شریک بنجانا چاہتا ہے۔ اس زمانہ کی تمام ترقی یافتہ قومیں اپنے بچوں کو بچپن ہی سے قصوں اور کہانیوں کے ذریعہ اعتراف خطا کا خوگر بنانا چاہتی ہیں اور غالباً انگریز اس بارے میں تمام قوموں سے آگے ہیں۔[1] ان کے ابتدائی مدارس میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، انھیں اٹھا کر دیکھ لو۔ ان میں ایسے قصے بہت ملیں گے جنھیں پڑھنے سے یہ صفت بچوں کے دلوں میں راسخ ہوتی ہے۔ ان کے حکما کی زبانوں پر ہمہ وقت اس صفت کی مدح میں اقوال جاری رہتے ہیں۔

ہم بھی اگر ان قوموں کی تقلید کرتے ہوئے اپنے بچوں میں یہ روح پیدا کرنے کی کوشش کریں تو یقیناً وہ جوان ہو کر اس کے اچھی طرح عادی ہو جائینگے اور جب کوئی ان کے کسی کام یا عادت پر نکتہ چینی کرے گا تو اسے توجہ سے سنیں گے اور اس پر ٹھنڈے دل سے غور کریں گے۔ اگر اسے صحیح سمجھیں گے تو خفا اور رنجیدہ ہونے کے بجائے خوش

---

[1] الاصلاح:- مگر ہندوستان میں ہم نے جس انگریز کا تجربہ کیا ہے وہ یا تو اس مکتب درس میں کبھی بیٹھا ہی نہیں یا بیٹھا ہے تو اس کی غیر مستقیم فطرت کے سانچہ میں بربریت بالکل معکوس ہو گئی ہے۔

ہوں گے، نکتہ چینی کرنے والے کا شکریہ ادا کریں گے اور پھر اپنی اصلاح کی کوشش کریں گے۔

اصلاح حال کا یہی ایک ذریعہ ہے، وہ نوجوان جو بلا تامل اپنی غلطیوں کا اعتراف کر لیتے ہیں، سمجھ لو کہ ان کا مستقبل نہایت روشن اور درخشاں ہے، لیکن وہ نوجوان جن کو عزتِ نفس کا خیال اعترافِ خطا سے باز رکھتا ہے اور وہ ہٹ دھرمی کر کے اپنی غلطیوں کو چھپانا چاہتے ہیں، سمجھ لو کہ ان کا سدھرنا اور راہِ راست پر آنا بہت دشوار ہے۔

۲۔ امانت اور وفا

ہمیں یہاں امانت، استقامت، صدقِ معاملہ یا وفاءِ حقوق کی فضیلت بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ صدق کے سادہ ترین مظاہر ہیں اور عام طور سے معلوم و شائع ہیں۔ البتہ ایک نہایت اہم غلطی کی طرف ناظرین کو توجہ دلانا ضروری ہے جس کی اصلاح کی نہایت سخت ضرورت ہے، اس سے میری مراد "وعدہ خلافی" ہے، یہ مرض ہم میں بری طرح رائج ہے گویا ہماری فطرت کا ایک جزو بن گیا ہے۔ یورپ کی قومیں تو وعدہ خلافی کو مشرقیوں کا مخصوص شعار سمجھنے لگی ہیں، مدنی اور تجارتی حقوق کی ادائیگی میں ہم جو ٹال مٹول کرتے ہیں اس کا تذکرہ تو چھوڑ دو، کہ قانون زبردستی ہمیں ان کی ادائیگی پر مجبور کرتا ہے۔ قابلِ ماتم وہ وعدہ خلافیاں ہیں جو اخلاقی حقوق کے سلسلہ میں ظاہر ہوتی ہیں، مثلاً آنے کا وعدہ کرنا اور پھر نہ آنا، اس قسم کی وعدہ خلافیوں کے مرتکب ہم روز ہوتے ہیں اور ہمیں کوئی پروا نہیں ہوتی، حالانکہ یہی معمولی وعدہ خلافیاں علامت ہیں کہ ہم بڑے بڑے معاملات میں وعدہ خلافیاں کر سکتے ہیں۔ ایک ایسا شخص جو آنے کا وعدہ کرے لیکن نیت اس کی آنے کی نہ ہو، وہ ہر قسم کے وعدے توڑ سکتا ہے، ایسے آدمیوں سے

معاملہ کرنے میں بہت زیادہ احتیاط ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے، یہ کس قدر اخلاق سے گری ہوئی بات ہے کہ تمہارا کوئی دوست، کسی خاص وقت میں کوئی کام کر دینے کا حتمی وعدہ کرے اور پھر اس علم کے باوجود کہ اس کے انتظار میں تمہارا ہر لحظہ بے چینی کے ساتھ گذر رہا ہے اسے پورا نہ کرے، اگر کسی مجبوری کی بنا پر وہ ایسا کرے تو خیر معاف رکھا جا سکتا ہے، اگرچہ اس صورت میں بھی اس پر واجب ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے اپنی مجبوری سے تمہیں مطلع کر دے لیکن ہم نہ یہ کرتے ہیں اور نہ وہ، وعدے آسانی سے کر لیتے ہیں لیکن ایفاء کی نیت بہت کم رکھتے ہیں، اور کسی کے نقصان یا انتظار کی مشقت کی مطلق پروا نہیں کرتے، ضرورت ہے کہ اس نقص کو دور کرنے کے لئے ہم اپنے بچوں کی گھروں میں اور پھر مدرسوں میں اچھی طرح تربیت کریں، اگرچہ اس وقت از خود رفتہ رفتہ ہم سے یہ نقص دور ہو رہا ہے کیونکہ ہمارا واسطہ ان اجانب سے پڑ رہا ہے جو اپنے وعدوں کا بہت پاس کرتے ہیں[1] اور جن کے یہاں ایفاء عہد کا خاص اہتمام ہوتا ہے، ان کی دیکھا دیکھی ہم بھی ایک حد تک اس کے عادی ہوتے جا رہے ہیں، حکومت کے محکموں کا نظام، وقت اور عہد کی پابندی پر مبنی ہے، جس کی وجہ سے لوگ کسی قدر وقت کی پابندی اور وعدوں کے ایفاء کے عادی ہو گئے ہیں کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کریں تو اس کا نقصان خود بھگتیں۔

علاوہ بریں متمدن ملکوں کی سیر و سیاحت اور مدارس کے ذریعہ بھی ہم میں یہ صفت منتقل ہوتی جا رہی ہے، لیکن ابھی ہم اس کے بہت زیادہ محتاج ہیں، ہمیں پابندیِ عہد کا اس طرح عادی ہو جانا چاہیے کہ ہماری فطرت ثانیہ بن جائے۔

---

[1] غالباً حکومتوں کے لئے وعدہ خلافی کوئی عیب کی بات نہیں۔ ابواللیث۔

۴- احساس فرائض

یہ صفت بھی از قبیل وفا ہے۔ لیکن چونکہ اس کو ہماری زندگی میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے اس لئے خصوصیت کیساتھ ہم اس کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

احساس فرائض سے ہماری مراد یہ ہے کہ انسان بغیر کسی کی تنبیہ اور یاد دہانی کے از خود اپنے فرائض و واجبات کا احساس کرے اور انھیں ادا کرے۔ یہ صفت حمیدہ متمدن قوموں میں بالکل عام ہے۔ بچے، جوان، بوڑھے ہر ایک اس صفت سے آراستہ ہیں۔ افسوس ہے کہ ابھی ہم میں اپنے فرائض کا احساس نہایت کمزور ہے حالانکہ یہ نہایت عمدہ اور اعلیٰ صفت ہے جس کا ہمیں ضرور عادی ہونا چاہئے۔

۵- حقایق پرستی

یہ صفت بھی از قبیل صدق ہے۔ ہم لوگوں میں یہ مرض عام ہے کہ ہم کام میں حقائق کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور صرف ظواہر کی پرستش کرتے ہیں۔ بناوٹی باتوں سے ہم خوش ہوتے ہیں مجاملت کو ہم پسند کرتے ہیں اگرچہ باطن ظاہر کے بالکل برعکس ہو۔ اگر ہم بھی حقائق پر اعتماد کرنا شروع کر دیں، ظواہر پرستی ترک کر دیں اور اپنے اعمال میں صرف جوہر اور حقیقی فوائد کو پیش نظر رکھیں تو ہماری حالت تھوڑے عرصہ میں یکسر منقلب ہو جائے لیکن ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم ظاہر سے جلد متاثر ہو جاتے ہیں اور معمولی باتیں ہمیں جوش و ہیجان میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ حالانکہ اگر ہم غور و فکر سے کام لیں تو ان میں جوش و ہیجان پیدا کرنے والی کوئی شے نظر نہ آئے۔ ہم اس کا اندازہ اپنے سیاسی و اجتماعی حالات بلکہ روزمرہ کے کاموں سے کر سکتے ہیں۔ حقیقت میں یہ نہایت بری بات ہے جس سے کامل احتراز کی فوری ضرورت ہے

۶- کام میں جلدی کرنا

وعدہ کے ایفا میں دیر کرنا ایک عادت ہے جو عام طور سے مشرقیوں میں پائی جاتی ہے اور ان کی پیشانی کا نہایت بدنما داغ ہے۔ بہت سے فرنگیوں نے اپنی کتابوں میں ہماری اس عادت کا مضحکہ اڑایا ہے اور اس کے متعلق نظمیں لکھی ہیں، ان کا قول ہے کہ ایک مشرقی کے لئے اس سے زیادہ سہل کوئی چیز نہیں کہ وہ وعدہ کو کل پر ٹال دے۔ قول و عمل کے پورا کرنے میں تاخیر کرنا بھی اسی عادت بد میں داخل ہے۔ عقلمند وہ ہے جو ہر کام میں جلدی کرے اور آج جو کچھ کر سکتا ہے اسے کل پر نہ ٹالے۔

ب- ثبات

ثبات نفس کی اس قوت کو کہتے ہیں جس کی مدد سے پیش آنیوالی مشکلات کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ اس کے تحت میں چند اور اخلاقی خوبیاں ہیں جن میں سے بعض کا ہم تذکرہ کرتے ہیں۔

۱- متانت خلق | یہ صفت انسان کو آمادہ کرتی ہے کہ وہ اپنے عقائد پر استوار رہے، خواہ یہ اس کی ہزاروں مصلحتوں کے خلاف ہو یا اس کی بنا پر اسے طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے ہر زمانہ میں ایک جماعت ایسے سرفروشوں کی رہی ہے جنھوں نے حق و آزادی کے لئے جان دیدینا گوارا کر لیا لیکن اس بات کو گوارا نہ کیا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی وہ اپنے کسی عقیدہ میں تبدیلی کریں یا اس کے اظہار سے باز آجائیں۔ سقراط و گلیلو اسی قسم کے لوگ تھے جنھوں نے حمایت علم میں بڑی سے بڑی مصیبت کو برداشت کیا۔ دین و مذہب کی حمایت میں جانفروشی کرنے والے نصرانیوں کے یہاں بہت ہیں۔ مسلمانوں کے یہاں شہداء دین کی جماعت میں ابوذر غفاری، احمد بن حنبل، وغیرہ داخل ہیں۔ اپنے عقائد پر ہر حال میں جمے رہنا اور اس سلسلہ

میں کسی بات کی پروانہ کرنا، انسان کی نہایت اعلیٰ صفت ہے ہمیں اپنے اندر اسے پیدا کرنے کی نہایت اہم ضرورت ہے کیونکہ ہمارے بیان قول و قرار پر ثابت قدم رہنا عنقا ہے خس و خاشاک کی طرح جسے ہوا کا معمولی جھونکا ادھر سے ادھر کرتا رہتا ہے، ہم بھی ہمیشہ پلٹا کھاتے رہتے ہیں۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ تم کسی مسئلہ میں کسی کی رائے طلب کرتے ہو اور وہ اپنی مجوزہ رائے پیش کر دیتا ہے لیکن جہاں تم نے اس سے اختلاف کیا وہ بھی اپنی کمزوری کی وجہ سے بغیر کسی دلیل کے تمہارا ہمنوا بن جاتا ہے۔

متانت خلق میں یہ بات بھی داخل ہے کہ انسان جس کام کو شروع کر دے، اسے انجام تک پہنچائے بغیر نہ چھوڑے۔ انسان کی کامیابی زیادہ تر اسی خصلت پر موقوف ہے۔ ذہانت، نشاط اور ولولۂ کار کے اعتبار سے اس کا درجہ کتنا ہی بلند ہو جب تک صبر و ثبات کا مادہ نہ ہو کامیابی ناممکن ہے۔

۲۔ اعتماد علی النفس | یہ صفت بھی متانت خلق ہی کے قبیل سے ہے کیونکہ قوت عزیمت کے بغیر اعتماد علی النفس پایا نہیں جا سکتا۔ ہمیں اپنے جوانوں میں اس صفت کی پوری طرح تخم ریزی کرنی چاہئے کیونکہ صدیوں کی ذہنی غلامی اور دوسروں پر اعتماد کرنے کی عادت نے ہمیں بالکل اپاہج اور ناکارہ بنا دیا ہے۔ آج ہمارا یہ حال ہے کہ ہم اپنی تعلیم و تربیت اور دوسرے اجتماعی احوال و معاملات میں اپنے اوپر اعتماد کرنے کے بجائے، حکومت کے دست نگر بن کے رہ گئے ہیں اور ہمارے تمام کام دوسروں کے ہاتھ میں پہنچ گئے ہیں۔ اعتماد علی النفس انسان کو ہر کام خود کرنے کا عادی بنا دیتا ہے اس لئے اس میں مستقل زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔

۳۔ وسعت قلب | وسعت قلب انسان کی نہایت اعلیٰ فضیلت ہے۔ اس کو بھی ثباتِ

متانت خلق میں داخل سمجھنا چاہئے کیونکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی عقل و فہم کی مدد سے عوارض سے کم متاثر ہو مثل مشہور ہے کہ سب سے بڑا عقلمند وہ ہے جو لوگوں کو زیادہ معذور سمجھے، ایک وسیع القلب انسان چھوٹی چھوٹی باتوں کی پروا نہیں کرتا اس کی توجہ صرف بڑے کاموں کی طرف ہوتی ہے، وہ ہر کام خوب سوچ سمجھ کر کرتا ہے، اس لئے اس سے غلطیاں کم سرزد ہوتی ہیں اور لوگ اس کی عزت و احترام کرتے ہیں۔ بخلاف ان لوگوں کے جو طیش و غضب میں آکر ہر کام کرتے ہیں، ان سے اکثر غلطیاں ہوتی ہیں۔ اور وہ عموماً ایسے کام کر جاتے ہیں جن سے دوسروں کو تکلیف پہنچے اہل شرق کے اخلاق میں وسعت اخلاق کو بہت نمایاں جگہ حاصل ہے کیونکہ یہ منجملہ ان خصائل کے ہے جو اسلامی تمدن کے زمانے سے ان میں وراثتۃً منتقل ہوتی چلی آرہی ہیں۔

(اقتباس)

تفسیر سورہ کافرون

اس میں ہجرت اور برات کا اصلی فلسفہ بیان کیا گیا ہے اور نبوت کے مراحل و مقامات کی توضیح اس قدر حکیمانہ انداز میں کی گئی ہے کہ بیشمار مشکلات آپ سے آپ حل ہو گئی ہیں۔ کتابت و طباعت بہترین، کاغذ عمدہ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ ضخامت ۴۸ صفحے۔

قیمت ۴ر

منیجر

حکمت غرب

مارکس اریلیس کے خیالات

از جناب مولوی نیاز احمد صاحب صدیقی ایم اے

جب تو صبح کو اپنی مرضی کے خلاف بستر سے بے کیف اور بکدر اٹھتا ہے تو اس خیال کو پیش نظر رکھ کہ میں اس کام کی انجام دہی کے لئے اٹھ رہا ہوں جو ایک مرد کے شایاں ہے۔ اور اگر ان امور کے بجالانے کے لئے مرا راستہ کھلا ہے جنکی انجام دہی میری زندگی کا مقصد ہے اور جس کی خاطر میں دنیا میں لایا گیا تو پھر میرے اس چڑچڑے پن کے کیا معنی؟ آج کیا میں کہہ سکتا ہوں کہ میں صرف اس غرض سے پیدا کیا گیا کہ کمبل میں ملفوف گرم بستر سے محظوظ ہوں۔ بہرصورت یہ زیادہ خوشگوار نظریہ ہے کہ تیری زندگی کا مقصود عیش و نشاط اور جد و جہد نہیں بلکہ عموماً جمود ہے؛ ننھے پودوں، چڑیوں و چیونٹیوں، مکڑیوں، اور شہد کی مکھی کو دیکھ یہ سب اپنے کام میں مشغول اور کوشاں ہیں کہ کائنات عالم میں اپنے چھوٹے چھوٹے گوشوں کا نظم قائم رکھیں۔ تو یہ سب کچھ دیکھتا ہے لیکن تو تیار نہیں کہ اس بار کو اٹھائے جس کا حامل انسان ہے اور اس مسابقت میں تیز گام ہو جس کا حکم فطرت دیتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہمیں کچھ آرام ملنا چاہئے لیکن فطرت نے اس آرام کے حدود مقرر کر دیئے ہیں بالکل اسی طرح جیسے اس نے کھانے پینے کے حدود مقرر کئے ہیں۔ بایں ہمہ تو ان حدود سے آگے نکل جانے کا خواہشمند ہے۔

لیکن اپنے عمل میں تو حدود و امکانات سے آگے جانیکا خیال بھی نہیں کرتا۔

اصل یہ ہے کہ تجھے خود تیری ذات عزیز نہیں ورنہ تو اپنی فطرت کو اور وہ سب کچھ جو وہ چاہتی ہے عزیز رکھتا ہے۔ آرٹسٹ اپنے آرٹ سے عشق رکھتا ہے وہ اپنی غذا و جسمانی صفائی سے بے نیاز ہو کر اپنے کام میں دل و جان سے محو ہو جاتا ہے تو تو خود اپنی فطرت کا اتنا احترام نہیں کرتا جتنا کہ ایک نقاش اپنے فن نقاشی کی، ایک رقاص اپنے فن رقص کی، ایک بخیل اپنے اندوختہ کی یا جویندہ بدنامی اپنی حقیر شہرت کا کرتا ہے۔ پس انسان کو ایک بار ان میں سے کسی ایک فن سے عشق ہو جائے تو پھر اس کو کھانے پینے، آرام کرنے بلکہ کسی چیز کی کوئی فکر نہیں رہ جاتی بجز اس کے کہ وہ اپنے محبوب شغل میں کمال حاصل کرے۔ پس کیا ممکن ہے کہ تیرا یہ انسانی فرض جس کی انجام دہی دوسرے انسان کی خاطر ضروری ہے، تیری نظر میں ایک حقیر اور فروتر شے کی مانند نظر آئے گا جس کے حصول کے لئے ساری جد و جہد بے موقع ہے۔

ہر شئے ناجنس سے قطع تعلق، اس کا قلع قمع، ہر پریشان کن خیال کا قطعی خاتمہ کر دینا، اور مکمل سکون و عافیت حاصل کرنا کیسا آسان ہے!

جرأت کیساتھ فطرت کی عملاً و قولاً قطعی پیروی کر، دوسروں کی بلاوجہ ناپسندیدگی کے باعث تجھکو اپنے مقصود سے نہیں ہٹنا چاہئے، اگر کوئی بات کہنی یا کرنی ہے تو بذات خود سچا بنکر اس کو کہہ یا کر دے جو لوگ تجھ پر حکم لگاتے ہیں ان کی رہنمائی، خود ان کی عقل کرتی ہے، وہ اپنی ذاتی تحریک طبعی سے متاثر ہوتے ہیں۔ ان پر مت نظر ڈال۔ تو اپنے راستہ پر بخط مستقیم چلا جا، اور جس طرف بھی تیری اپنی فطرت یا ہمگیر فطرت رہنمائی کرے کیونکہ دونوں کے راستے ایک ہی ہیں۔ (باقی)

تقریظ و تبصرہ

مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش اس رسالہ پر الاصلاح کی پچھلی دو اشاعتوں میں چند صفحے لکھے گئے ہیں۔ خیال تھا کہ زیادہ سے زیادہ دو تین نمبروں میں اس کی نمایاں کمزوریوں کی طرف اشارہ ہو جائے گا لیکن آج آگے کے مباحث دیکھے تو معلوم ہوا کہ اس میں بحث و استدلال کی جو کمزوریاں چھپی ہوئی ہیں اور واقعات کے بیان میں فاضل مصنف سے جو تسامح ہوا ہے اور پھر ان سے نتائج مستنبط کرنے میں جو چند در چند سامحات ہوئی ہیں ان کی تفصیل طولانی ہے اور سب کو روشنی میں لانے کے لئے الاصلاح کے اتنے صفحات نذر کرنے پڑیں گے کہ شاید زیر نظر کتاب سے زیادہ ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ ممکن ہے کہ اس کوشش سے کچھ غلط فہمیاں رفع ہو جائیں اور ہمارے سامنے جو مشکلات ہیں لوگ ان سے بھی ایک حد تک واقف ہو جائیں لیکن یہ بحث ایسی نہیں ہے جس کے لئے میں الاصلاح کے صفحات اتنی فیاضی سے صرف کروں۔ اس کے بہت سے صفحات اخباری پروپگنڈے کی نوعیت کے ہیں جنہیں عام اخباری معلومات سے مصنف نے بغیر اپنی حیثیت کا لحاظ کئے ہوئے فائدہ اٹھایا ہے، حالانکہ میں اختلاف رائے کے باوجود، ان کو ان سے سخت ارفع دیکھنے کا متمنی ہوں۔ مغربی حکومتوں کی سیاسی تاریخ اور ان کے دساتیر کے سمجھنے میں انھوں نے غلطی کی ہے، یا ہندوستان کے حالات پر ان کے انطباق میں غلطی کی ہے یا عام بےخبری کی وجہ کو دلیر ہو کر ان کے بیان کرنے میں تصرف کو روا دی ہے۔

علاوہ ازیں تضاد بیان جگہ جگہ نہایت فاحش قسم کا ہے۔ ان تمام مقامات کو بیان کرنے کیلئے کم از کم الاصلاح کے ۸۰۔۱۰۰ نمبر وقف کرنے ہوں گے، اور اس کے لئے نہ الاصلاح میں گنجائش اور نہ طبیعت کو اس طرح کی قال اقول سے اتنی مستمر دلچسپی۔

پھر ادھر کئی مہینہ سے عام تقریظ و تبصرہ کا سلسلہ بند ہو جانے کی وجہ سے ریویو کے لئے کتابوں اور رسائل کا خاصہ انبار جمع ہو گیا ہے اور ان کے مصنفین و ناشرین کو تاخیر سے شکایت اور بعض کو رنج و ملال ہو رہا ہے۔ پس ان حالات میں ممکن نہیں کہ اس بحث کو زیادہ طول دیا جائے۔ مگر یہ بحث بالکل ہی ناتمام اور تشنہ رہ جائے گی اگر چند صفحات میں کم از کم مصنف کی اصل تحکیم دارالاسلام پر غور نہ کیا جائے کہ یہ ان کے برسوں کے غور و بحث کا نچوڑ اور اس تمام تحدی و تکلم کا صفوۃ المقال ہے۔ پس حالات نے اگر اجازت دی تو انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں چند صفحے اس پر لکھنے کی کوشش کروں گا۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت۔

جن احباب نے ان صفحات کو قدر دانی کی نظر سے دیکھا ہے امید ہے ان کو یہ فیصلہ بار خاطر نہ ہوگا۔ اور اگر میرے کسی فقرے نے فاضل مصنف کے افکار و معلومات کے علاوہ ان کی ذاتی عزت شخصیت کو مجروح کیا ہو تو اس کو میں اپنی اور اپنے قلم کی انتہائی نالائقی پر محمول کروں گا۔ اور ان سے معافی مانگ کر خوشی اور فخر محسوس کروں گا۔ (امین احسن)

مضامین محمد علی ۔ مرتبہ جناب محمد سرور صاحب بی، اے آنرز استاذ تاریخ اسلام جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ حجم ۵۹۰ صفحے کتابت و طباعت عمدہ، کاغذ اچھا، جلد خوبصورت، قیمت:۔ دو روپے ۱۲ آنے
ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جامعہ دہلی، لاہور، لکھنؤ۔

مولانا محمد علی مرحوم کی سیاسی، ملکی، قومی، مذہبی اور ادبی و اجتماعی خدمات ہماری قومی تاریخ کا نہایت قیمتی سرمایہ ہیں۔ پچھلی نصف صدی کے اندر ہندوستان کے مسلمانوں کے اندر جو ذہنی و سیاسی

بیداری پیدا ہوئی ہے، اس میں سب سے زیادہ کارفرما ہاتھ مولاناؒ ہی کا تھا۔ ان کے علم و عمل دونوں میں ایک عبقری کی تمام خصوصیات جمع ہوگئی تھیں۔ زندہ قوموں کے اندر اس طرح کے اشخاص کا ایک ایک کارنامہ ایک مستقل یادگار کی حیثیت حاصل کرتا ہے اور ان کے قلم و زبان کا ایک ایک فقرہ آب زر سے لکھا جاتا ہے لیکن مولانا ایک ایسی قوم کے اندر پیدا ہوئے تھے جو صرف تجویزوں اور قراردادوں کی کی بادشاہ ہے۔ ان کی کوئی مستقل یادگار قائم کرنا تو الگ رہا اب تک ان کے مضامین اخباروں اور اور رسالوں کے فائلوں سے جمع کرکے یکجا شائع بھی نہ ہو سکے۔ حالانکہ ان کے قلم کی سطر سطر ایک مستقل درس اور ایک برتر دماغ کی ایجاد و تخلیق کا ایک زندہ جاوید کارنامہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جامعہ ملیہ کے کارکنوں کو اس کا اجر دے کہ انھوں نے اپنے بہت سے مفید کاموں میں ایک اور قیمتی کام کا اضافہ کیا کہ مولاناؒ کے مضامین کا ایک عمدہ اور خوبصورت مجموعہ شائع کیا۔

ہرچند کہ اس مجموعہ میں مولاناؒ کے زندگی کے بعض گوشے یا تو سرے سے نظر نہیں آتے یا یا نظر آتے ہیں تو دھندلے نظر آتے ہیں۔ تاہم یہ ان کے اچھے مضامین کا ایک نہایت خوبصورت مجموعہ ہے۔ صاحب ذوق کے لئے ناممکن ہے کہ وہ کتاب کو اٹھائے اور بغیر ختم کئے ہوئے چھوڑ دے۔ مولاناؒ چونکہ وقت کی تمام تحریکات میں موافقانہ یا مخالفانہ شریک تھے اس لئے اس عہد کا پورا ہندوستان ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور پھر جہاں ان کے قلم کا سحر، ان کے دماغ کی تخلیق اور ان کے علم و تبحر کی وسعت سامنے آتی ہے تو ان کے پرواز فکر پر حیرت ہوتی ہے۔ یہ بے تکلف کہا جا سکتا ہے کہ ان کے ہر مضمون میں کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور ملتی جو ان کی غیر معمولی قابلیت کا ثبوت بہم پہنچاتی ہے۔ ہمارے نئے ارباب قلم اگر ان چیزوں کو اہتمام کے ساتھ پڑھیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ وہ پست و بلند کے درمیان تمیز کرنے لگیں گے اور شاید جلد ان میں اچھے لکھنے والے پیدا ہو جائیں گے۔ مگر مولاناؒ کی اصلی چیز تو ان کا عمل تھا اور یہ چیز مضمون سے بالکل الگ خدا کی توفیق

وضاحت سے نصیب ہوتی ہے۔ اس مجموعہ میں ۶۵ مضامین ہیں اور سب قابل مطالعہ ہیں۔

جوہر اقبال۔ مرتبہ جناب محمد حسین صاحب سید متعلم بی۔ اے، و جناب طفیل احمد صاحب قاسمی بی۔ تقطیع ۲۰×۲۶ حجم ۲۲۶ صفحے۔ کتابت و طباعت نہایت دلکش، جلد مضبوط و خوبصورت قیمت ۱۲/ ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جامعہ دہلی، لاہور، لکھنؤ۔

جامعہ ملیہ میں انجمن اتحاد کے نام سے طلبہ کی ایک انجمن ہے۔ جس کے اہتمام میں عرصہ سے مولانا محمد علی مرحوم کی یادگار میں جوہر نام کا ایک قلمی رسالہ نکلتا ہے۔ سال کے بعض خاص نمبر طبع و اشاعت سے بھی آراستہ ہوتے ہیں۔ زیر نظر نمبر اس کا ایک نہایت اہم خصوصی نمبر ہے۔ جو علامہ اقبالؒ کی یادگار میں شائع کیا گیا ہے۔

اقبال نے اپنی زندگی ہی میں، اپنے کلام کی جتنی داد پائی، اور جتنی بڑی تعداد اپنے مطالعہ کرنے والوں کی چھوڑی اس کی مثال کسی دوسرے ادب میں مشکل سے ملے گی۔ "جوہر اقبال" بھی اقبال کے مختلف اصناف شعری کے محققانہ مطالعہ کا ایک بہترین نتیجہ ہے۔ اس کی ترتیب میں جامعہ ملیہ کے اساتذہ و طلبہ کے علاوہ ملک کے اکثر مشہور اہل قلم اور صاحب طرز ادیبوں نے شرکت کی ہے۔ رسمی پیامات و تبرکات کو چھوڑ کر اکثر مضامین گہرے فکر و مطالعہ کا حاصل ہیں اور سچ یہ ہے کہ اقبال کی شاعری، ان کے فلسفہ، ان کے پیام کا جس جامعیت کے ساتھ "جوہر اقبال" نے جائزہ لیا ہے۔ وہ جامعہ کا مخصوص حصہ ہے۔

ہندوستان میں برطانوی حکومت } مولفہ جناب ڈاکٹر زین العابدین احمد صاحب۔ بی، اے، سی، پی، ایچ، ڈی۔ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ حجم ۱۱۵ صفحے، کتابت قابل اطمینان کاغذ عمدہ، قیمت:۔ ۸/ ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جامعہ دہلی، لاہور، لکھنؤ

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہندوستان کی موجودہ صنعتی و حرفتی، اقتصادی ذہنی

اور تمدنی و ثقافتی بربادی کا سبب زیادہ تر ہماری غیر ملکی گورنمنٹ ہے۔ اس چھوٹی سی کتاب میں اسی حقیقت کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی سے لیکر موجودہ عہد تک کی مختلف تاریخی شہادتوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ برطانوی سامراج نے ہندوستان کی دولت و ثروت کو یہاں تک تاراج کیا کہ آج اگر ہندوستان پر اقتصادی حیثیت سے نظر ڈالی جائے تو افلاس جسمانی ضعف، بے روزگاری، تمدنی پستی اور تعلیمی پسماندگی کا نہایت الم ناک نقشہ نگاہوں کے سامنے پھر جائے۔

پوری کتاب چھوٹے چھوٹے چار حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلے حصہ میں برطانوی حکومت کے بعض مالی اور معاشی پہلو پر عمومی نظر ڈالی گئی ہے۔ دوسرے میں ہندوستان کی مالی خود اختیاری، تیسرے میں مالیات پر اختیارِ عامہ اور چوتھے میں صوبوں کی مالی خود اختیاری پر بحث کی گئی ہے۔ اس طرح ان چاروں حصوں میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ ہندوستان میں حکومت برطانیہ کا یہ استبدادی نظام محض اتفاقی نہیں ہے بلکہ اس طرز کے بقا و استحکام میں برطانوی سامراج کی تمام کوششیں صرف ہوتی رہی ہیں اور آج تک کارفرما ہیں۔ چنانچہ جدید گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں وفاق ہند کے میزانیہ کے ۸۰ فیصدی حصہ پر وفاقی مجلس کی رائے نہیں لی جائے گی فوج کا محکمہ وزارت کے اختیار میں نہ ہوگا۔ اور کمانڈر انچیف براہ راست وائسرائے سے وابستہ ہوگا۔ غرض سامراجی منصوبوں میں کوئی فرق نہیں ہوا ہے۔

(ع ۔ ن)

تفسیر سورہ عصر

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سورہ عصر کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ تفسیر خصوصیت کے ساتھ بعض دقیق مباحث قرآنی کی حامل ہے۔ لفظ عصر کی تحقیق، اور زمانہ کے قسم کی تاویل نہایت بصیرت افروز ہے۔ آخر میں ایمان کے مفہوم اور حق و صبر کے باہمی تعلق کی تشریح بھی بڑی اثر انگیز اور ایمان افروز ہے۔ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ حجم ۶۶ صفحے۔ کاغذ عمدہ۔ کتابت و طباعت جاذب نظر۔ قیمت ۶/

تفسیر سورہ لہب

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ کی تفسیر سورہ لہب کا اردو ترجمہ ہے۔ اسمیں عام خیال کی مدلل تردید کی گئی ہے کہ یہ سورہ بد دعا ہے۔ ابولہب اور اس کی بیوی کے وجوہ ذکر نہایت اثر انگیز ہیں۔ اس تفسیر کی اصلی عظمت کا اندازہ صرف مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا۔ کتابت و طباعت بہترین، کاغذ نہایت عمدہ، حجم ۴۰ صفحے۔ قیمت ۶/

تفسیر سورہ کافرون

اس میں ہجرت اور برأت کا اصلی فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔ اور نبوت کے مراحل و مقامات کی توضیح اس قدر حکیمانہ انداز میں کی گئی ہے کہ قرآن مجید کی بیشمار مشکلات آپسے آپ حل ہو گئی ہیں۔ کتابت و طباعت بہترین۔ کاغذ عمدہ۔ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ ضخامت ۴۰ صفحے۔ قیمت ۳/

منیجر